بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ تحکیم القوانین

للشیخ العلامہ **محمد بن ابراہیم** آل الشیخ رحمہ اللہ

شرح رسالہ تحکیم القوانین

للشیخ ڈاکٹر **سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی** حفظہ اللہ

پی ایچ ڈی جامعہ اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ

ترجمہ: فضیلۃ الشیخ **محمد بن محمد صدیق** حفظہ اللہ

الناشر: محمدی ویلفیئر ٹرسٹ کراچی پاکستان

website: http://www.muwahideen.tk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ O یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا O یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا O

اَمَّا بَعد!

یہ کتابچہ رسالہ تحکیم القوانین فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی حفظہ اللہ کی شرح ''شرح رسالہ تحکیم القوانین'' کا ترجمہ ہے۔ موضوع کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے واضح فرامین ہیں؛ مثلاً:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ

اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (قوانین) کے مطابق فیصلہ (وحکم) نہ کرے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔ (المائدۃ:44)۔

ان کی تفصیل شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے جو بیان کی تھی، ڈاکٹر سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی حفظہ اللہ نے اس کو مکمل وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ ترجمہ میں چونکہ دونوں چیزوں کو بیان کیا گیا ہے اور ڈاکٹر سفر الحوالی کی شرح تقریری انداز میں ہے، اس لئے بعض اوقات اصل کتاب کی عبارات نامکمل محسوس ہوتی ہیں۔ لیکن اگلے پیرے میں وہ مکمل ہوگئی ہیں۔ اس میں اصل کتاب کے الفاظ کو ''الشیخ'' کے نام سے لکھا گیا ہے اور شرح کو ''ڈاکٹر سفر الحوالی'' کے نام سے لکھا گیا ہے۔

ترجمہ کے حوالے سے: یہ بندہ کی ابتدائی کاوش ہے، اس میں جو کچھ صحیح ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے ہے اور خطاء بندہ کی ہی کوتاہی اور لغزش کا نتیجہ ہے۔ اور اہل علم کی نشاندہی پر اس کو صحیح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور ہمیں اپنی رضامندی کے افعال کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اس کتاب کے ناشرین لائق صد مبارکباد ہیں کہ اُنہوں نے اس کی بہترین انداز میں طباعت کروا کر مفت تقسیم کرنے کا اہتمام کیا ہے اور پھر یہ بھی مکمل آزادی دی ہے کہ کوئی بھی صاحبِ خیر اس کو طبع کروانے کا مجاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے (آمین)۔ اور ہمارے لئے، ہمارے والدین، عزیز و اقارب، ایمان کی حالت میں فوت شدگان رشتہ دار، اساتذہ کرام اور جمیع المسلمین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور بقیدِ حیات کو ان خطوط پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

العبد **محمد بن محمد صدیق**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

ان الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ٥ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ٥ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ٥

اَمَّا بَعد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو زائل کرنا اور زندگی کے مختلف مسائل میں اسے اپنا حاکم نہ بنانا سب سے زیادہ خطرناک اور مسلم معاشروں میں انحراف کے واضح مظاہر ہیں۔ اور اسی وضعی قوانین کو حاکم بنانے ہی کے نتائج ہیں جو مسلم ممالک میں مختلف قسم کے فسادات، ظلم و بربریت، ذلت اور بے برکتی سرایت کر چکی ہیں [1]۔

1۔ نواقض الایمان ص394 للدکتور عبدالعزیز بن محمد۔

پس اب مسلمانوں کے حالات کو بنظرِ غائر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ مسلم ممالک کس قدر مصائب و آلام، آپس کی تفرقہ بازی اور عداوت اور قتل و غارتگری کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور اسلامی ممالک میں مختلف انواع کے معدنی ذخائر کے باوجود کس قدر فقر و تنگدستی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور ان کی اقتصادی حالت تباہی کے گڑھے میں گر چکی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالیٰ کی شریعت سے انحراف اور طاغوت کو اپنا حاکم بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ آمین [1]۔ ایک طرف تو اس مسئلہ [2] کی اہمیت اور خطرناک ہونے کے پیش نظر اور دوسری طرف اس کے بہت زیادہ غیر

واضح یا مشتبہ ہونے کی بنا پر بہت سے اہل علم نے اس جانب اپنی توجہ ملحوظ کی ہے، اس کے درپے ہوئے ہیں، ان میں سے چند بطورِ مثال چیف جسٹس آف اُردن الشیخ علامہ احمد شاکر، علامہ محمد الشنقیطی، پروفیسر سید قطب اور سعودی عرب کے سابق مفتی محمد بن ابراہیم آل الشیخ یہ ہیں۔ مؤخر الذکر کا یہ رسالہ ''تحکیم القوانین'' کے نام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر

رحم فرمائے اور اپنی وسیع وعریض جنت ان کا مسکن بنائے (آمین)۔ اور الشیخ الدکتور سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی نے اس رسالہ "تحکیم القوانین" کی شرح چار کیسٹوں میں کی ہے جو کہ بہترین اور مفید ہے۔ اور انہی کیسٹوں سے اسے معمولی تصرف کیساتھ کہ طلبۃ العلم کیلئے اس کی طرف رجوع اور استفادہ آسان ہو جائے، یہ شرح نقل کی گئی ہے۔ اور حاکمیت کے موضوع پر مطالعہ مزید کے لئے اس رسالہ کے ساتھ کچھ مفید اور منتخب مراجع بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

ہم اللہ عز وجل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کیلئے بھلائی کا معاملہ آسان فرما دے جس میں اہل ایمان کی عزت اور اہل الطغیان کی ذلت ہو۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین.

1۔ حوالہ مذکور صفحہ 310۔

2۔ ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنی توجہ بطور خاص حاکمیت کے مسئلہ پر مذکور رکھے اور اس کو اپنا مقصد وحید اور شغل بنا لے جس میں ہمہ وقت مصروف ہو بلکہ ضروری ہے کہ وہ انواع توحید کے مطالعہ کا بھی اہتمام کرے اور ان انحرافات کا بھی جو عقیدہ توحید کے خلاف ہیں اور ان شبہات کا بھی جو اس کے گرد اٹھائے گئے ہیں اور یہ سارا مطالعہ کتاب وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے منہج کے مطابق ہونا چاہیئے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے اس طرح سے بیان کرنا چاہیئے کہ ایک پہلو حد سے نہ بڑھ جائے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از الشیخ ڈاکٹر سفر بن عبد الرحمٰن الحوالی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبینا محمد و علی الہ و صحبہ اجمعین.

اما بعد!

اس رسالہ کا موضوع اس آیت:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدة: 44)

یعنی: اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (قوانین) کے مطابق فیصلہ (وحکم) نہ کرے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

کی بنیاد پر یہ ہے کہ حکم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہونا چاہیئے یا اللہ کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر؟ یہ موضوع ہے، اس پر ہم نے دو مقدمے لکھے ہیں جو ان آیات کی تفسیر کے متعلق اور غَيْرَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے حکم کی انواع پر تفصیلی گفتگو سے متعلق ہیں۔ یعنی حکم بغیر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی انواع میں سے ملت سے خارج کرنے والا یعنی کفر اکبر کیا ہے اور جو ملت سے خارج نہیں کرتا یعنی کفر اصغر کیا ہے؟۔

اس ضمن میں ایک قیمتی رسالہ جو کہ حجم کے لحاظ سے تو چھوٹا لیکن فائدہ اور نفع کے لحاظ سے بہت بڑا ہے، جسے سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم نے تحریر کیا تھا جو کہ مملکت سعودی عریبیہ کے سابق مفتی تھے، بہت بڑے عالم اور معروف مجتہد تھے، ان کا علم وفضل اس مملکت میں اور دیگر بلادِ اسلامیہ میں کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ رسالہ 'تحکیم القوانین' کے عنوان سے ہے جو پہلی دفعہ 1380 ھ میں طبع ہوا تھا اور اس میں طبع جدید بھی موجود ہے۔

میں اپنے بھائیوں کو اس بات سے باخبر اور متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے قیمتی رسائل کی نشر واشاعت حسب استطاعت ضرور ہونی چاہیئے۔ اور ان کی خوردہ قیمت پانچ دس روپے سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے، یا اس سے بھی کم یا کم سے کم تھوک کی قیمت اس کے برابر ہو۔ اور اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق خرید کر اپنے جاننے والے مسلم بھائیوں کو بطورِ تحفہ دے دے تاکہ وہ اس سے مستفید ہوں تو یہ بہت خیر اور بھلائی کی بات ہے۔ یہ

مسئلہ جاننے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں آراء واقوال مختلف ہیں جبکہ یہ ایک ایسے عالم کا کلام ہے جس کے تبحر علمی اور فقاہت پر سب کا اجماع ہے۔ اور اس میں ایسی تفصیل ہے جو غالباً اس سے قبل اس موضوع پر منظر عام پر نہیں آئی۔ کیونکہ شیخ رحمہ اللہ نے اس میں نہایت تفصیلی اور قیمتی انواع وفصول قائم کی ہیں۔

ڈاکٹر سفر بن عبد الرحمٰن الحوالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح رسالہ تحکیم القوانین

الشیخ محمد بن ابراھیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ملعون وضعی قانون کو اس قانون کے مقام پر رکھنا جسے روح الامین (جبرئیل علیہ السلام) نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر واضح عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، یہ کفر اکبر، واضح اور ظاہر کفر ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں: الشیخ رحمہ اللہ نے اپنی عبارت کی ابتداء ہی اس اختلاف کی نشاندہی سے کی ہے جو مسئلہ تحکیم کے بارہ میں ہے کہ وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوگا یا نہیں یعنی شیخ رحمہ اللہ نے اصل الاصول سے ابتدا کی ہے اور یہ دعوت کے میدان میں فقہ وحکمت کے کمال کی دلیل ہے کہ داعی جب کسی ایسے حکم کے بارے میں بات کرتا ہے جس میں تفصیل ہو تو ابتدا اصل عام اور قاعدہ کلیہ سے کرے، پھر اس میں سے مخصوص احکام کا ذکر کرے جو اس اصل قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہوں یا اس قاعدہ کے تحت نہ آتے ہوں۔

شیخ رحمہ اللہ نے جو بات کی ہے کہ یہ واضح اور کفر اکبر ہے، یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اسی ضمن میں اس کی فروعات آتی ہیں۔ وہ قانون جسے انسان اپنی اھواء وخواہشات کے مطابق اللہ تعالیٰ پر بہتان وافتراء باندھتے ہوئے بنائے، کیسے ممکن ہے کہ اسے اس قانون کی جگہ دے دی جائے جسے روح الامین جبرئیل علیہ السلام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر نازل ہوئے ہیں؟۔ کوئی مومن اس بات کو کبھی پسند نہیں کرسکتا۔

الشیخ: شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کسی تنازع کے وقت وضعی قانون کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دیدہ دانستہ مخالفت ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلاً (النساء: 59)

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبارِ انجام کے بہت اچھا ہے۔

اور اپنے اختلافات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہ بنانے والوں کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے نفی کے متعدد صیغوں اور قسم کے ساتھ نفی کی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النسآء: 65)

سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی یا ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ایمان کی جو اپنے اختلافات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہ مانیں دو اُمور سے تاکید کرتے ہوئے نفی کی ہے، ایک یہ کہ حرفِ نفی کی تکرار ہے جو کہ آیت مبارکہ کے شروع میں ''لا'' ہے۔ پہلے ﴿فَلَا وَ رَبِّکَ﴾ کہ تیرے رب کی قسم نہیں۔ پھر ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ لوگ مومن نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ حلفیہ بات کی جو کہ ﴿وَ رَبِّکَ﴾ (تیرے رب کی قسم) ہے۔

الشیخ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی طرف مائل ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے اس فرمان:

ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ (النسآء: 65)

یعنی: پھر جو فیصلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی یا ناخوشی نہ پائیں۔

کے ساتھ اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی بھی محسوس نہ کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ اسے برضاء و رغبت کھلے دل کے ساتھ تسلیم کرنے کا حکم دیا۔

الحرج سے مراد تنگی ہے۔ بلکہ وسعت قلبی ضروری اور بے چینی و اضطراب سے محفوظ ہونا بھی ضروری ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: ’’حرج‘‘ سے مراد تنگی ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے:’’ارض حرجة‘‘ یعنی تنگ جگہ اور’’مکان حرج‘‘،یعنی تنگ مکان۔

الشیخ: بلکہ اس فیصلہ سے ان کے دل فراخ اور سینے کھل جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کر کے خوش محسوس کریں۔ اور قلق واضطراب سے محفوظ ہونے سے مراد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے ان میں کسی قسم کی بے چینی اور اضطراب نہ ہو۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ان دو امور پر ہی اکتفا نہیں کیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم بنائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں،نہیں۔

الشیخ: بلکہ ایک تیسری چیز بھی ان دونوں کے ساتھ بیان کی اور وہ ’’تسلیما‘‘ ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مکمل تابعداری ہے کہ نفس وخواہش کے ادنیٰ سے شائبہ کو بھی چھوڑ دیں اور حق کے حکم کو تسلیم کر لیں،مکمل تسلیم کرنا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ میں اسکی مصدر مؤکد سے تاکید کی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا قول﴿وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں) میں ’’تسلیما‘‘ مصدر مؤکد ہے اور مصدر مؤکد لانے کا فائدہ یہ ہے کہ صرف تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ مطلق تسلیم کرنا ضروری ہے۔

ذرا پہلی آیت مبارکہ پر غور کریں جو کہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً (النساء:59)

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے لوٹاؤ،اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف،اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔یہ بہت بہتر ہے اور باعتبارِ انجام کے بہت اچھا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے’’مدارج السالکین‘‘میں لکھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ دین کے تین مراتب

پر مشتمل ہے اور دین کے تین مراتب کا حدیث جبرائیل میں بیان ہوا ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت کی اتباع اور پیروی کی نسبت سے دین کے تین مراتب کو بیان کرتی ہے اور وہ تین مراتب **مرتبۃ الاسلام**، **مقام الاسلام** اور **مقام التحکیم** ہیں۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہیں مانتا ہے، وہ مسلم و مومن نہیں ہے۔ دوسرا درجہ: اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم تو مان لے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے دل میں تنگی محسوس کرے اور اسے مکمل تسلیم نہ کرے تو وہ بھی مومن نہیں ہے۔ اس سے ایمان اس وقت تک دور ہو جاتا ہے جب تک اس میں (ایمان کا) دوسرا درجہ نہ آ جائے، اور وہ یہ کہ اگر چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم مان کر کافر ہونے سے تو بچ گیا ہے لیکن ابھی تک اس کے سینے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے تنگی ختم نہیں ہوئی، اس لئے وہ مومنین کے زمرے میں شمار نہیں ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں انہی لوگوں کی تعریف کی ہے اور انہی لوگوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے جو صفتِ ایمان سے متصف ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المؤمنون: 1)

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں۔ (الحجرات: 15)۔

اور **وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: 3-1)**

زمانے کی قسم۔ بیشک (بالیقین) انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

پس کسی قسم کی تنگی نہ ہونا، ایمان ہونے کی علامت ہے۔ اور (تیسرا درجہ) اگر کوئی انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم بھی مان لے اور آپ کے فیصلے سے دل میں تنگی بھی (بظاہر) نہ ہو، لیکن تسلیم کی انتہا کو ابھی تک نہ پہنچا ہو۔ یعنی اس طرح تسلیم نہ کرے جیسے تسلیم کرنے کا حق ہے تو ایسا شخص مسلم اور مومن تو ہے، لیکن اسے ابھی احسان کے مرتبہ

تک پہنچنے کی ضرورت ہے جو کہ بلند ترین درجہ اور مقام ہے۔ اور یہی تقاضا ہے ﴿وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ کا کہ بغیر کسی اعتراض کے قبول کرے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان آ جائے تو یہی عین حق اور بالکل درست اور صواب ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف اور تنازع نہیں کرتا اور نہ یہ کہتا ہے کہ عقل، رائے، فلاں شیخ یا مذہب یوں کہتا ہے۔ نہ تو قول اللہ اور قول الرسول کی مخالفت ہو نہ اس میں تردد اور شک ہو بلکہ مکمل تسلیم ہو۔ پس یہ آیت مبارکہ دین کے ان تین مراتب کو مشتمل ہے (اور اس کی اساس یہ ہے کہ جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہیں مانتا وہ آدمی اگرچہ بزعم خود دعویٰ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔

الشیخ: پہلی آیت کے مفہوم پر غور کرو جو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ٥

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اُسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبارِ انجام کے بہت اچھا ہے۔ (النساء:59)۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے لفظ ''شَيْءٍ'' کو نکرہ لفظ استعمال کیا ہے (نکرہ عام ہوتا ہے یعنی ہر چیز اس کے ضمن میں آ جاتی ہے جبکہ معرفہ خاص ہوتا ہے) اور یہ نکرہ آیت مبارکہ میں لفظ ''شَيْءٍ'' ہے جو ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ'' میں پائی جانے والی شرط کے ضمن میں ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی جھگڑا جہاں بھی ہو، جس چیز میں بھی ہو اور کسی بھی جنس اور مقدار میں ہو یعنی چھوٹی چیز میں ہو یا بڑی چیز میں ہو، فیصلہ کے لئے صرف اور صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔ پھر غور فرمائیے کہ اسے کس طرح اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:59)

اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔

لفظ ''شَيْءٍ'' میں علماء لغت کے نزدیک بہت زیادہ عموم پایا جاتا ہے کیونکہ ہر چیز پر اس کا اطلاق ممکن ہے۔ اور یہ مکمل

طور پر عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ یہ شرط کے ضمن (سیاق) میں نکرہ آیا ہے۔مثال کے طور پر ''شَــــیْءٍ'' کا اطلاق اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھی ممکن ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے؟ آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے (الانعام: 19)

تو اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھی ''شَــیْءٍ'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے لیکن وہ کیسی چیز ہے؟ وہ بزرگ وبرتر ذات ہے، ہر چیز سے بڑی ذات ہے۔جیسا کہ شعر ہے:

رأیت اللّٰہ اکبر کل شئ   محاولة واکثرهم جنودا

اور اسی طرح ادنی سے ادنی اور حقیر ترین چیز پر بھی ممکن ہے کہ ''شَیْءٍ'' کا اطلاق کیا جائے۔

تو قضیۃ الکبریٰ اس میں یہ ہے کہ اگر دو اشخاص کا کسی بہت بڑی مملکت کے بارے میں جھگڑا یا تنازع پیدا ہوجائے تو ہم یہی کہیں گے کہ فیصلہ اس چیز میں ہے۔اور اسی طرح اگر دو اشخاص میں ایک روپے یا چوتھائی روپے میں تنازع ہوجائے تو پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ ان دونوں نے اس چیز میں جھگڑا یا تنازع کیا یا فیصلہ کرانا چاہا۔

تو یہاں یہ چیز واضح ہوگئی کہ جس چیز میں بھی تمہارا نزاع ہو، اور نزاع کیسا بھی کیوں نہ ہو، چاہے یہ تنازع اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں ہو یا ایمان کے بارے میں، تقدیر کے بارے میں ہو یا عقیدہ کے اُمور میں، فقہی احکام میں سے کسی حکم کے بارے میں ہو یا حقوق، قصاص و دیت اور اموال وغیرہ میں ہو۔تو ہر جنس اور نوع کے فیصلے تحاکم کے وجوب میں داخل ہیں۔اور متنازع فیہ چیز کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا فرض ہے کیونکہ یہ سب کلمہ ''شَیْءٍ'' کے ضمن میں آتے ہیں۔جو اللہ کے فرمان ''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ ''میں ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر دوسری آیت مبارکہ میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُهٗ اِلَی اللّٰهِ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ **(الشوری: 10)**

اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور جس کی طرف میں جھکتا ہوں۔

یعنی جس میں بھی اختلاف ہو۔اور پہلی آیت کی طرح اس میں بھی شرط پائی جاتی ہےاور وہ ''وَمَا اخْتَلَفْتُمْ''میں'مَا''شرطیہ ہے۔اوراس میں ایک اوراضافی چیز بھی ہے جوکہ عموم میں زیادتی کی تاکید پردلالت کرتی ہےاوروہ حرفِ جار''مِن'' کا''شیءٍ'' کااس سے پہلے ذکرکرنا ہے۔پس اس شرط کاحکم ہرقسم کے نزاع کواللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا اوراسی سے فیصلہ کرانا ہے، کیونکہ کوئی چیز بھی اس سے خارج نہیں ہے۔اسے(یعنی اپنے تنازعات کواللہ اوراللہ کے رسول کی طرف لوٹانے کو)اللہ اور یومِ آخرت پرایمان کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔آیت مبارکہ:''فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلاً '' **(النسآء:59)**۔چنانچہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پرایمان کواس شرط کے ساتھ مشروط قرار دیا کہ اپنے تنازعات کواللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے، اسی بنا پراللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْآ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيْدًا **(النسآء:60)**

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پراور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے، اس پرانکا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیراللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکارکریں شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

تو ایمان کا دعویٰ صرف گمان کی حد تک ہے۔حقیقت میں وہ مؤمن نہیں ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا

وَمَا اُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ **(المائدہ:43)**

ترجمہ:اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ **(المائدۃ:41)**

لوگوں میں سے(ایسے)لوگ(بھی ہیں)جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل ایمان والے نہیں ہیں۔

اس کی شرح وتفسیر تفصیلی طور پر سورۂ مائدہ کی آیات تحاکم کے ضمن میں آئے گی۔

الشیخ: اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''ذَالِکَ خَیْــــرٌ ''(یہی بہتر ہے)۔پس جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے خیر کا اطلاق کیا ہے، اس کو کبھی بھی شر نہیں پہنچ سکتی، بلکہ وہ صرف دنیا اور آخرت میں بھی خیر ہی خیر ہے۔ پھر فرمایا: ''وَاَحْسَنُ تَأْوِیلاً''اور انجام کار کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی دنیا اور آخرت میں انجام کے لحاظ سے بھی یہی بہتر ہے۔یعنی معاملہ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا، دنیا اور آخرت میں انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ موجودہ دور میں بھی اور مستقبل میں بھی۔ الغرض جس قسم کا بھی مسئلہ ہو، جس دور اور جس شہر میں بھی پیش آئے، انجامِ کار کے لحاظ سے اس کا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا ہی بہتر ہے، چاہے اللہ کے دشمن جو بھی کہتے رہیں یا بُری باتیں پھیلائیں۔

الشیخ: اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تنازع کے وقت اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی طرف لوٹانا صرف برائی ہے اور انجام کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں بدترین ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اور یہ چیز فی الواقع حقیقت ہے۔ آج کا دور اور گزرا ہوا دور بھی اس بات کا گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر کسی کو اپنا حاکم بنانے کا نتیجہ دنیا میں بھی بُرا ہی نکلتا ہے اور آخرت میں جو عذاب ان کا منتظر ہے، وہ بہت بڑا اور بہت سخت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (القلم: 33).

اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش انہیں سمجھ ہوتی۔

الشیخ: دنیا و آخرت میں انجام بدتر ہے، منافقین کے قول کے برعکس ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور ثابت کیا ہے یہ منافقین کے اقوال کے برعکس ہے جو کہ

طاغوت سے فیصلے کروانا چاہتے ہیں اور ساتھ یہ کہتے ہیں:

اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِيۡقًا (النسآء:60)

(قسمیں کھاتے ہیں) کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا

اور یہ دعوے تو قدیم دور میں بھی تھے اور موجودہ دور میں بھی ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جو بھی بات کرنے کی جرأت کرتا ہے وہ تأویل یا شبہ کا سہارا لے کر ہی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بُت جن کی پوجا کی گئی وہ بھی تأویل کے ساتھ ہی پوجے گئے۔ بہرے گونگے پتھر جیسا کہ عقلمند جانتے ہیں، وہ نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں، اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی گئی!! کیوں؟؟ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ یہ پتھر ''ود''، ''سواع''، ''یغوث''، ''یعوق'' اور ''نسر'' کی شکلوں پر تراشے گئے ہیں۔ اور یہ بڑے نیک بزرگ تھے، ان کا اللہ کے ہاں بڑا مقام تھا، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی مورتیاں بنا کر ان کی عبادت کو یاد کر کے ان ہی کی طرح اللہ کی عبادت کریں۔ پھر ان پتھروں کی ہی پوجا شروع ہوگئی اور پھر آہستہ آہستہ ہر پتھر کی پوجا شروع ہوگئی۔

جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ لوگ بیت اللہ الحرام کعبۃ کی طرف آتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس لئے تعظیم کرتے تھے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس میں حجر اسود نصب ہے۔ پھر کچھ لوگ مکہ سے اپنے شہروں کو اپنے ساتھ پتھر لے جانا شروع ہوگئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ مکہ کا پتھر ہے، یہ کعبہ کا پتھر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حرمت والے شہر سے ہے، تو لوگ ان کی تعظیم کرنے لگ گئے۔ ان سے برکت حاصل کرنے لگے اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ان ہی پتھروں کو سجدہ کیا جانے لگا اور ان کی عبادت ہونے لگی۔

گویا کہ ہر چیز میں ''تأویل'' کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو وضعی قوانین سے فیصلے کراتے ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد دین کے احکام کی مخالفت نہیں ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا حکم اچھا اور بہتر نہیں ہے۔ ہم تو صرف احسان اور موافقت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو منافقین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کہی تھی، یہ اب کہہ رہے ہیں۔

الشیخ: ان کا کہنا تھا:

اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (البقرة:11)

(کہتے ہیں) کہ بیشک ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسلام اور جدید دور کے تقاضوں میں موافقت چاہتے ہیں۔اسی لئے ہم وضعی قوانین سے فیصلے کراتے ہیں، اس کے باوجود ہم مسلم ہیں۔قرآن وسنت سے محبت رکھتے ہیں۔اور بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ حج وعمرہ بھی ادا کرتے ہوں، صدقہ وخیرات بھی کرتے ہوں، نماز کے بھی پابند ہوں لیکن کہتے ہیں کہ اب ہم اکیسویں صدی سے گزر رہے ہیں اور زمانہ اور زمانے کے حالات ومعاملات بدل گئے ہیں، تو بجائے اس کے کہ ہم پورے دین کا ہی انکار کردیں، جدید دور کے مطالبات اور اسلام میں موافقت کررہے ہیں۔ہم تنظیم سازی اور قانون سازی کی اجازت دیتے ہیں۔عورت کے متعلق اور اجتماعی (معاشرتی) زندگی کے متعلق ترقی پسند ہیں اور اس کے باوجود ہم مسلم ہیں۔

پس وہ لوگ یہ کبھی نہیں کہتے کہ تم اللہ کے ساتھ کفر کرو۔اور غافل نوجوانوں اور قوموں کی مشکل یہی ہے کہ وہ دن رات دھوکہ کھاتے رہتے ہیں، وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ انہیں کوئی اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا کہے تو وہ معاملے کی خطرناکی سے متنبہ ہوں، اور اللہ کے دشمن اس سے بہت زیادہ چالاک ہیں، وہ یہ سب کچھ کیوں کہیں؟ کیونکہ وہ اپنے کام میں ماہر اور اس کے اسلوب سے واقف ہیں، اس لئے کہ ان کا بڑا استاد ابلیس ہے اور ابلیس کبھی بھی یہ نہیں کہتا۔اس نے ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام سے بھی یہ نہیں کہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس نے کہا تھا:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (الاعراف: 21)

اور (آدم وحواء علیہما السلام) دونوں کے رُوبرو قسم کھالی کہ یقین جانیئے میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں

یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی

(شیطان کہنے لگا) اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتلاؤں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو؟ (طہ:120)۔

اور کہا تھا:

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (الاعراف: 20)

(شیطان نے آدم وحواء کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ کروانے کیلیئے کہا کہ) تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا، مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

اور ہر دور میں اس دور کے مطابق ہی مکر وفریب اور حقیقت کو چھپانے کے انداز ہوتے ہیں۔ اور یہ سادگی ہی ہے کہ ہم یہ تصور کر کے بیٹھے رہیں کہ ہمیں ضرور یہ کہا جائے گا کہ اللہ کے احکام کا انکار کر دو۔ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے کفر کرو تو ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم تو اللہ کے ساتھ کفر نہیں کریں گے۔ وہ ایسا کبھی بھی نہیں کریں گے، بلکہ وہ حیلے سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ہم تو موافقت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تو احسان اور اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی قسم! یہ لوگ کبھی بھی مصلح اور خیر خواہ نہیں ہو سکتے اور یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ (البقرة: 13)

(مسلمانو!) خبردار ہو جاؤ! یقیناً یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں لیکن جانتے نہیں۔

اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو اللہ کی شریعت کو مسخ کرنے کے متعلق لکھتے ہیں، مغربی مفکرین، مستشرقین اور ان کے چیلوں کی اصطلاح میں وہ اصلاح پسند ''مصلحین'' کہلاتے ہیں اور اصلاح کے ضامن (ٹھیکیدار) کہلاتے ہیں۔ جیسے مصلح عبدالرحمٰن الکواکبی، مصلح جمال الدین افغانی، (مصلح اشرف علی تھانوی، مصلح احمد رضا بریلوی، مصلح قاضی حسین احمد، مصلح فضل الرحمٰن، مصلح جنرل ضیاء الحق، مصلح اسحٰق خان، مصلح نواز شریف، مصلحہ بینظیر، مصلح جنرل پرویز مشرف وغیرہ)۔ حتی کہ کمال اتاترک کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مصلحین کے بڑے سرداروں میں سے ہے اور اس کی تحریک کا نام ہی ''الحرکۃ الاصلاحیۃ'' اصلاحی تحریک ہے۔

الشیخ: اور یہ قانون ساز و قانون دان جو کہتے ہیں کہ خودساختہ قوانین دنیا کی ضرورت ہیں، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، یہ حقیقت کے برعکس ہے اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض بدگمانی اور روگردانی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کرنا ہمارے لئے ضروری ہے یا (وضع)

قوانین سے فیصلے کرانا چاہے، وہ کسی بھی معاملہ میں ہوں یعنی ہم قانون جزاء وسزا سے فیصلے کرائیں یا وہ فیصلے قانون مدنی یعنی شہری معاملات سے متعلق ہو یا ان کا تعلق تجارتی اور تجارتی اور مالی اُمور کے قانون سے ہو، جو بھی یہ کہتے ہیں وہ سوءظن رکھتے ہیں، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی (شریعت) کی تنقیص کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اس کلام کا معنی اور لازمہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یا تو اس چیز کا (نعوذ باللہ) علم ہی نہ تھا کہ دور بدل جائے گا اور حالات تبدیل ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند تر ہے۔ اور جس نے یہ کہا یا یہ عقیدہ رکھا، اس نے یقیناً کفر کیا۔

یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو علم تو تھا لیکن اس نے ایسے احکام نازل نہیں فرمائے جو ان حالات کے مناسب ہوں تو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے بہت بڑے بڑے اُمور میں جن کے ہم محتاج تھے، ہمیں مہمل چھوڑ دیا اور اس کتاب (قرآن مجید) میں ہر چیز کی تفصیل موجود نہیں ہے۔

اس طرح یہ معاملہ کہ ہم ہر چیز کے فیصلے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں اور ہر قسم کے تنازعات کو اللہ کی طرف لوٹائیں، بالکل لغو ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے تو ہمیں ہر قسم کے معاملات میں اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ ہمارے لئے تمام اُمور کے احکام نازل ہی نہیں فرمائے۔ اس تضاد کی تو کسی عقلمند انسان سے بھی اُمید نہیں کی جا سکتی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کیسے ممکن ہے؟ جبکہ وہ بہت بلند و برتر اور پاک ذات ہے اور وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور اس نے اس کتاب (قرآن مجید) کو مفصل نازل فرمایا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: 89)

ترجمہ: اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔

اور اسی اللہ نے ہمیں معاملات میں اجتہاد اور غور وخوض کرنے کا حکم دیا ہے اور اجتہاد کر کے صحیح حل کو پا لینے والے مجتہد کے لئے دو اجر اور اجتہاد میں غلطی والے کے لئے بھی ایک اجر رکھا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ ہم اس کتاب سے احکام کا استنباط کر سکیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آ سکے جس کا ذکر کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

الشیخ: اللہ کی شریعت کے بارے میں حکم لگانا کہ یہ لوگوں کے تنازعات کے حل کے لئے ناکافی ہیں، محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی تنقیص ہے، اور ایسے لوگوں کے لئے دنیا وآخرت کا انجام بدلازمی اور حتمی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی اس حال میں بُرا انجام ان کے لئے لازم ہے یا وہ اللہ کے حکم کے لئے مطیع ہو جائیں اور توبہ کر کے اللہ کی شریعت اور ''ما انزل اللہ'' کی طرف لوٹ آئیں۔

الشیخ: دوسری آیت کے الفاظ پر بھی غور کرو جس کے الفاظ یہ ہیں:

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی یا ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔(النسآء:65)۔

میں بھی کس قدر عموم پایا جاتا ہے، کیونکہ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ اصولیین (علماء اصول) کے نزدیک عموم کے صیغوں میں سے ہے اور یہ عموم وشمول جنس اور نوع کے اعتبار سے بھی ہے اور مقدار کے لحاظ سے بھی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس آیت میں اسم موصول ''فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ'' میں حرف ''مَا'' ہے اور اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ عموم کے صیغوں میں سے ہے۔ اور یہ عموم ہر نوع کو شامل ہے چاہے وہ معاملہ قتل کا ہو یا مال کا، عزت و ناموس کا ہو یا حقوق کا، جو بھی ہو، چاہے اس کا تعلق بین الاقوامی ہو یا کسی حکومت اور فرد سے متعلق ہو۔ دو جماعتوں سے تعلق رکھتا ہو یا دو افراد سے، ہر ایک ''فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ'' کے حکم میں داخل ہے کیونکہ یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

الشیخ: یعنی ایک نوع کا دوسری سے بھی کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ قلت و کثرت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کے ایمان کی نفی کر دی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کروانا چاہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا ۢ بَعِیْدًا (النسآء:60)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہاں شیخ رحمہ اللہ کی فقاہت اور دقتِ استدلال ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''اَلَمْ تَرَ'' ایسا اسلوب ہے جو ذہن کو اس طرف متوجہ کرتا ہے گویا کہ کہا جا رہا ہے کہ اے مخاطب! دیکھ، غور کر، اے مخاطب تجھ پر تعجب ہے۔ اگرچہ اسی میں اصلاً خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ایسے ہی ہر وہ آیت جس میں یہ اسلوب ہو اسی چیز کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ (الفیل: 1)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ (الفجر: 6)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے (قومِ) عاد کے ساتھ کیا کیا؟

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ'' یعنی حقیقت میں یہ لوگ مومن نہیں ہیں لیکن انہیں اپنے ایماندار ہونے کا زَعم وگمان ہے اور یہ زَعم وگمان جھوٹا ہے جو حرفِ ظن ہے۔ اور انسان جب حقیقت کے برخلاف اعتقاد رکھے تو یہ زَعم وگمان ہوتا ہے اور (مثل ہے کہ) فلاں یہ زَعم رکھتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جو وہ کہتا ہے وہ درست نہیں ہے۔

الشیخ: بیشک اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''یَزْعُمُوْنَ'' وہ یہ زَعم کرتے ہیں، ان کے ایمان کے دعوے کی تکذیب ہے **کیونکہ ایمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے ہٹ کر تحاکم کسی انسان کے دل میں اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نفی کرتا ہے۔**

ڈاکٹر سفر الحوالی: تو اللہ عزوجل کا فرمان:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاکَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْآ اَنْ يَّکْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً م بَعِيْدًا

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔(النسآء:60)۔

یعنی وہ یہ دعویٰ رکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاکَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ'' (یعنی) وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔(ذرا غور کریں کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ انہوں نے طاغوت کو اپنا حاکم بنا لیا ہے اور اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ اسی کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ لوگوں کے لئے بھی اس کو لازم کر دیا ہے اور قوت و طاقت کے ذریعے لوگوں کو اس پر مجبور کر دیا ہے۔ بلکہ کہا کہ ''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاکَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ'' کہ وہ اپنے فیصلے طاغوت سے کرانے کا خیال اور ارادہ کرتے ہیں، اور اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، گویا کہ وہ ابھی اس کی ابتدائی سطح پر ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ان کے ایمان کی نفی کر دی اور ان پر جو عیب لگایا ہے صرف اس بنا پر لگایا کہ وہ طاغوت سے تحاکم (فیصلہ کروانے) کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ معاملہ کا تعلق ارادہ سے ہے۔ تو گویا کبھی انسان کی تکفیر اس حال میں بھی ہوتی ہے جبکہ اس نے کفریہ فعل کا ارتکاب نہیں ہوتا کیونکہ انسان جب کفر کا ارادہ کر لے تو اس پر اس کی تکفیر کی جائے گی جبکہ اس نے اس کو حلال سمجھ لیا۔ مثال کے طور پر ایک انسان غریب و مسکین ہے، نہ اس کا کوئی بینک اکاؤنٹ ہے اور نہ کوئی درہم و دینار/ روپیہ پیسہ اس میں ہے لیکن اگر وہ سود خوری اور بینکاری کا دفاع کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا تو کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں اور نہ اس نے سود کھایا ہے، بلکہ اسے اُن کا دفاع کرنا ہی ان کے حکم میں داخل کر دے گا۔ اور اگر وہ اس کو حلال جانتا ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی اگر چہ اس نے سود نہیں کھایا۔

الشیخ: طاغوت طغیان سے مشتق ہے جو کہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کیا یا کروانا چاہا تو اس نے طاغوت سے فیصلہ کیا اور طاغوت سے فیصلہ کرانا چاہا اور یہ

کہ ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ کرے۔ اسکے برعکس نہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی کسی کے لئے یہ جائز نہیں، یا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرے یا کروائے۔

الشیخ: تو جب کہ ہر انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہی فیصلہ کرائے تو جس شخص نے اس کے برخلاف فیصلہ کیا یا فیصلہ کرایا تو اس نے طغیان اور سرکشی کی اور فیصلہ کرنے یا کرانے کے لحاظ سے حد سے تجاوز کیا تو وہ حد سے تجاوز کرنے کی بناء پر طاغوت بن گیا۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: پس وہ طاغوت بن گیا اس لئے کہ اس نے حد سے تجاوز کیا اور اللہ پر جھوٹ باندھا اور کہا کہ میں لوگوں کے لئے شریعت اور قانون بناتا ہوں جس میں ان کی مصلحت ہے، جیسا کہ بعض لوگ اللہ پر جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''زانی کو کیسے رجم کیا جاسکتا ہے؟ رجم کی سزا تو وحشیانہ ہے''۔ (ہم ان کے اس کفر اور گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں)۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو جلاوطن یا قید سے بدل دیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو اسے طاغوت بناتی ہے۔ جس نے شریعت بنانے کی کوشش کی، جس نے سود کو حلال قرار دیا، جس نے شراب کو حلال قرار دیا، یا جس نے اس طرح کا کوئی بھی کام کیا تو وہ طاغوت ہے جو اس جنس کی کسی چیز کا بھی ارتکاب کرے وہ طاغوت ہے کیونکہ وہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

بعض اوقات کسی چیز کی حد تو تجاوز کر جاتی ہے لیکن وہ خود حد سے تجاوز نہیں کرتا، جیسے کوئی امام مجتہد اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اس میں حکم لگائے۔ پھر لوگ مثال کے طور پر اسکے طریقے کی پیروی کرنے والے آئیں اور اس کے قول کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مقدم کر دیں، اور ہر مختلف فیہ چیز کو اسی کے کلام کی طرف لوٹانا شروع کر دیں تو اس سے انہوں نے اسے طاغوت بنا دیا کیونکہ انہوں نے اس کی حد سے تجاوز کیا۔ اس کی حد تو یہ تھی کہ اللہ کا نیک بندہ یا اگر وہ ہے تو امام مجتہد رہے۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے جبرئیل علیہ السلام کی حد یہ ہے کہ وہ اللہ کے فرشتے رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی

مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں اور جو بھی اوصاف اللہ تعالیٰ نے آپ کے گنوائے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر اللہ کے علاوہ پوجا کی جائے یا جبرئیل علیہ السلام یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے علاوہ کسی اور کو پکارا جائے یا ان دونوں سے استغاثہ (مدد طلب) کیا جائے یا ربوبیت کی کوئی صفت ان میں بیان کی جائے، جس نے بھی ان میں سے کوئی کام کیا، اس نے حد سے تجاوز کیا اور اس کو طاغوت بنا دیا اگرچہ وہ ایسا نہیں ہے۔

پس عیسیٰ علیہ السلام ہرگز طاغوت نہیں ہیں بلکہ وہ تو اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم (عیسائیوں) کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا جیسے کہ فرمان ذی شان ہے:

مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَ رَبَّكُمۡ

میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ (المائدۃ: 117)۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ (مریم: 36)

میرا اور تم سب کا رب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تم سب اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔

لیکن عیسائیوں نے ان کے بارے میں غلو کیا اور حد سے تجاوز کر گئے۔

لہٰذا کسی چیز کے حقیقی معنوں میں طاغوت ہونے اور اس کے طاغوت نہ ہونے کے باوجود اس کے طاغوت بنا دیئے جانے میں فرق ہے کیونکہ اس کے بارے میں دوسرے لوگ شرعی حدود سے تجاوز کر گئے۔

الشیخ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرو:

وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ (النسآء: 60).

اور تحقیق انہیں حکم دیا گیا ہے کہ (شیطان کے) ان سب کاموں کا انکار کریں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: پس اللہ تعالیٰ نے ''یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ'' (لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں) کہنے کے بعد فرمانِ ذی وقار ''وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ'' (اور تحقیق انہیں حکم دیا گیا ہے کہ (شیطان کے) ان سب کاموں کا انکار کریں)۔ اس آیت سے اس کی تاکید بیان فرما دی۔ اور یہ اس بات کے واضح ترین دلائل میں سے ہے کہ شرع سے ہٹ کر فیصلے کروانا کفر ہے۔ اور (وضعی) قانون سے فیصلے کروانا

کفر ہے۔

الشیخ: ''وَقَدۡ اُمِرُوۡٓا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ '' میں غور کرنے سے آپ کو قانون دانوں (قانون سازوں اور قانون کے پرستاروں) کا بغض وعناد اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف انکار ارادہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ شرعی طور پر ان سے مطلوب جس پر وہ اللہ کے بندے کہلانے کے مستحق ہیں وہ طاغوت کے ساتھ کفر ہے نہ کہ طاغوت سے تحکیم اور اسے اپنا حاکم اور فیصل ماننا۔

فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلاً غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَھُمۡ (البقرة:59)

پس ان ظالم لوگوں نے اس بات کو ہی بدل دیا جو کہ اُن سے کہی گئی تھی۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَدۡ اُمِرُوۡٓا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ (النسآء:60)

اور تحقیق انہیں حکم دیا گیا ہے کہ (شیطان کے تمام قوانین اور) ان سب کاموں کا انکار کریں۔

اور:

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡ بِاللّٰہِ فَقَدِاسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَاانۡفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ (بقرة:256)

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اور ''الۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی '' سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کی گواہی دینا ہے۔ اور ''**لا الہ الا اللہ**'' نفی اور اثبات کا نام ہے۔ یعنی طاغوت کے ساتھ کفر اور اللہ کے ساتھ ایمان۔ پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر نہ کرے یا (وضعی) قوانین وغیرہ جن سے فیصلہ کرایا جاتا ہے کفر نہ کرے تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے اکیلے معبود ہونے کی گواہی نہیں دی۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا ہے ''وَقَدۡ اُمِرُوۡٓا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ **(النسآء:60)**'' (اور تحقیق انہیں حکم دیا گیا ہے کہ (شیطان کے تمام قوانین اور) ان سب کاموں کا انکار کریں) اور وہ اس کے باوجود اس سے فیصلہ کروانا چاہتے ہیں۔ جب انسان اس پر غور کرے، جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ نے کہا، اس سے

قانون کے پرستاروں کی اللہ تعالیٰ کی مراد کی مخالفت اور عناد کا ارادہ معلوم کرسکتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے تو طاغوت کے ساتھ کفر کرنے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت سے فیصلے کرانے کا حکم دیا ہے۔اور یہ (قانون ساز و قانون دان، جج و وکیل، پولیس انتظامیہ اور قانون کے پرستار) لوگوں پر قانون سازی سے فیصلے کروانے واجب قرار دیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی شریعت اور دین سے فیصلے کروانے سے روکتے اور ہٹاتے ہیں۔

الشیخ: پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالاً ۢ بَعِيْدًا (النسآء:6)

اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

پر غور کرو کہ کس طرح اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ گمراہی ہے جبکہ قانون کے پرستار اسے ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو طاغوت سے فیصلے کرواتے ہیں یا کروانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ شیطان ان کو دور کی گمراہی میں ڈال دینا چاہتا ہے۔تو گویا یہ امر گمراہی ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہی کا نام دیا ہے۔لیکن قانون (کے پجاری) جن کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اسے ہدایت تصور کرتے ہیں۔یعنی وہ کہتے ہیں یہ بہت اچھی چیز ہے، یہ تہذیب وتمدن ہے، یہ تو نئی تبدیلی ہے بلکہ کبھی تو وہ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے فلاں سال فلاں نظام اور فلاں قانون وضع کیا اور فلاں سال اقتصادیات کے حوالے سے اور بینکاری کے بارے میں قوانین وضع کئے اور فلاں سال قانون مدنی یعنی شہری قانون وضع کیا۔اس پر فخر کرتے ہیں۔

اور اسی کو ہدایت خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امت اس سے قبل پسماندگی (Back ward) اور گمراہی میں تھی اور یہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے برعکس ہے جیسا کہ پچھلی آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

الشیخ: جیسا کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ یہ شیطان کی چاہت ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: تو طواغیت اور (وضعی) قوانین سے فیصلے کرنا اور کروانا شیطان کی چاہت ہے۔ پس وہ تو ان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس سے فیصلے کروائیں۔

الشیخ: (درحقیقت) یہ اس کے برعکس ہے کہ جس کا قانون کے پرستار شیطان کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے تصور رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ اس میں انسان کی مصلحت ہے۔ ان کے زَعم وگمان کے مطابق شیطان کی چاہت میں انسان کی مصلحت ہے۔ اور اللہ کی چاہت اور جس کے ساتھ سید ولد عدنان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم، عدنان آپ کے اجداد میں سے ہیں) بھیجے گئے ہیں، وہ اس وصف اور شان (انسان کی مصلحت) سے خالی ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: تو گویا انہوں نے اِقلاب (بدل دینا) کرتے ہوئے شیطان کی چاہتوں کو حکمت، رحمت اور مصلحت بنا دیا اور جو کچھ اللہ رحمٰن نے نازل کیا ہے اور جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت ہے اس میں ان کے زعم کے مطابق پیچھے رہ جانا (ترقی کی دوڑ میں ساتھ نہ دے سکنا) انحطاط اور صلاحیت کی کمی ہے۔

الشیخ: جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کا جو کہ احکامِ جاہلیت تلاش کرنے والے ہیں رد کرتے ہوئے اور یہ بیان کرتے ہوئے کہ اسی کا حکم بہتر ہے، اس جیسا حکم کسی کا نہیں ہوسکتا، فرمایا:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، یقین رکھنے والے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنیوالا کون ہوسکتا ہے (المائدۃ: 50)

اس آیت مبارکہ پر غور کرو کہ کس طرح واضح دلالت کر رہی ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہیں۔ (یعنی جاہلیت کا حکم اور اللہ کا حکم)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: دنیا میں حکم ان دونوں سے خارج نہیں ہے یعنی حکم کی یہی دو اقسام ہیں تیسری کوئی قسم نہیں ہے۔

الشیخ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد صرف جاہلیت کا حکم باقی رہ جاتا ہے اور یہ واضح ہے کہ قانون کے پرستار اقرار کریں یا انکار کریں، ان کا شمار بھی اہل الجاہلیۃ کے زمرے میں ہوتا ہے بلکہ یہ تو ان سے بھی بری حالت میں ہیں اور ان کی سب باتیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، کیونکہ اس ضمن میں اہل جاہلیت کے ہاں تو کوئی تضاد یا تناقض نہیں تھا۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: جاہلیت تو جاہلیت ہی ہے چاہے وہ مطلق جاہلیت الاولیٰ ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ختم ہوگئی یا جدید جاہلیت ہو جو کہ مقید ہے۔ ایک شہر سے شہر تک، ایک حکم جو کہ جاہلیت سے متعلق ہو ایک فرد سے فرد تک جو کہ جاہلیت پر چلنا چاہتا ہو اور اسی طرح۔ پس اب ہمارے ہاں مغربی جہالت اپنے احکام کے ساتھ موجود ہے اور ہمارے ہاں اس اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو طاغوت سے فیصلے کروانے کا زعم یا ارادہ رکھتے ہیں۔

پہلی جاہلیت والے اپنی بات میں متناقض نہیں تھے کہ وہ تو ایمان ہی نہیں رکھتے تھے اور نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے تھے اور نہ انہیں قرآن پر ایمان رکھنے کا زَعم تھا، اس لئے وہ تو قرآن وسنت کے خلاف فیصلے کرواتے تھے۔ لیکن جو شخص ایمان کا زَعم اور دعویٰ بھی کرتا ہے، پھر ان جاہلین کے احکام سے فیصلے کروانا چاہتا ہے، یہ متناقض ہے کیونکہ اس نے جاہلیت کے حکم کی پیروی کی۔

الشیخ: لیکن پرستارانِ قانون اس حیثیت سے متناقض ہیں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان رکھنے کا زَعم رکھتے ہیں اور وہ (شریعتِ اسلامیہ اور وضعی قوانین میں) درمیانی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: (اللہ کی شان ہے) سبحان اللہ! ایسا لگتا ہے کہ یہ آیات ہمارے اوپر، ہمارے ہی دور اور معاشرے کے متعلق نازل ہوئی ہیں کہ وہ اس بات کا ارادہ رکھتے ہیں کہ کوئی درمیانی راہ نکال لیں۔

الشیخ: اس قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا

یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔(النسا: 151)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اس طرح درمیانی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كَمَا اَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ

جیسے کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ جنہوں نے اس کتاب الٰہی (یعنی قرآن) کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ (الحجر: 90۔91)۔

یعنی مختلف اجزاء اور حصے بنا دیا کہ کچھ کو لے لیتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے سے متعلقہ چیزیں مثلاً: اللہ تعالیٰ حق ہے، وہ موجود اور ''الحی القیوم'' ہے اور یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور تمام جہانوں کے لئے رسول ہیں اور یہ کہ اس نے ہمیں حج، نماز، صدقہ وخیرات (زکوٰۃ) اور رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزیں تو قابل قبول ہیں اور یہ اس قسم سے ہیں جس پر ایمان رکھتے ہیں۔

لیکن جب ہم مسئلہ سود کی طرف آتے ہیں، یا عورت کے مقام یا اس طرح کے جدید (معاصر) مسائل کی طرف آتے ہیں تو یہاں اختلاف ظاہر ہو جاتا ہے اور کلام متردد اور مختلف ہو جاتا ہے۔ ایک کہنے والا کہتا ہے کہ ہم اشتراکی نظام چاہتے ہیں کیونکہ یہ سود اور استحصال سے روکتا ہے۔ اور عوام اور حکومت کو ہر چیز کا برابری کی سطح پر مالک بناتا ہے۔ پس معاشی لحاظ سے وہ اشتراکی نظام کو چاہتا ہے اس کے باوجود وہ نماز بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کا تعلق علماء وشیوخ سے بھی ہو ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت کے طلبگار ہیں۔

ایک دوسرا کہتا ہے کہ نہیں ہم اشتراکیت نہیں چاہتے کیونکہ ہر صورت میں اقتصادی آزادی ہونی چاہیئے، اللہ کے احکام سے آزادی جس میں، کسی قسم کی قیود نہ ہوں کہ یہ حرام ہے، یہ حلال ہے، یہ وہ طریقہ ہے کہ کمپنیاں بازار کی ضرورت کے مطابق جیسے چاہیں نفع کمائیں اور سامان کی رسد وطلب کے مطابق فائدے کا سودا کریں، یعنی سود تو اس طرح معاملات آزاد سرمایہ داری نظام کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور تیسرا کہتا ہے کہ تمام ادیان ہی اچھے ہیں پس ہم صلاۃ (نماز) زکوۃ اور ہر چیز کو مانتے ہیں لیکن عورت

کا ماملہ دشوار یا مشتبہ ہے۔اب تو حال یہ ہے کہ بہت سے مما لک میں صدر مملکت یا وزیر اعظم عورت ہے۔بعض مما لک میں عورت وزیر ہے (حتیٰ کہ پاکستان کی بہت سی عورتیں وزیر ہیں)۔

ایک اور مثال کفار کے ساتھ دوستی کا مسئلہ ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار سے متعلق مسائل ہمارے لئے قرآن پاک میں بیان فرما دیئے ہیں اور ہمارے لئے بیان کر دیا ہے کہ ہم یہود ونصاریٰ کے بارے میں اور دوسری تمام کافر اقوام کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں۔لیکن ایسے لوگوں میں سے کہنے والا کہتا ہے کہ یہ قدیم زمانے کی باتیں ہیں۔ یہ جدید بین الاقوامی نظام سے پہلے کی باتیں ہیں۔اور گرم وسرد جنگ کے زمانے کی باتیں ہیں جبکہ اب سرد جنگ ختم ہو گئی ہے۔اور ہم سب بھی بعض کی طرح بارد (ٹھنڈے) ہو گئے ہیں۔اب ہم ایک بین الاقوامی خاندان اور ایک بین الاقوامی معاشرے کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔اب عداوتیں نہیں لوٹیں گی۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں یوں ہے۔ اور پھر تاویل کرنا شروع ہو جاتا ہے۔کیونکہ وہ ان آیات کا انکار تو نہیں کرسکتا یا انہیں قرآن پاک سے نکال تو نہیں سکتا، لیکن ان کو معنی ومفہوم سے خالی کر دینا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں اب تو ہم سب ایک ہی صورتحال میں ہیں اور ہم سب کا ہدف ایک ہے، نظام ایک ہے، آپ ان کو کافر کہو گے؟ یہ تو مشکل ہے۔

اسی لئے آج پورے عالم اسلام کے ریڈیو چینل، عالم اسلام کی صحافت اور عالم اسلام کے ٹیلی ویژن چینلوں پر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ان کافر مما لک کے بارے میں کہیں کہ یہ کافر مما لک ہیں بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی مما لک ہیں۔

پس وہ کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہیں اور اس میں اس سے فیصلے بھی کرواتے ہیں اور بعض کا انکار کر دیتے ہیں بالکل ویسے ہی جیسے یہودیوں کا حال تھا۔اور جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار اور اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میٹھا میٹھا تو ہمارے لئے ہے اور کڑوا کڑوا ان کے لئے"۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنۡ يَّأۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَ تَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ (البقرہ:85)

اور جب وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا تم بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟

اس کی اصل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر تورات میں خون بہانا حرام قرار دیا تھا اور قیدیوں کا فدیہ ادا

کرنا فرض قرار دیا تھا۔ یہود کے دو گروہ تھے، بنوقینقاع اور بنونضیر، خزرج کے حلیف تھے اور بنوقریظہ، بنواَوس کے حلیف تھے۔ پھر جب اوس وخزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو یہودیوں کا ہر گروہ اپنے حلیفوں کے ساتھ نکلتا تھا اور اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ان کی مدد کرتا تھا، حتیٰ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بھی بہاتے تھے جبکہ تورات ان کے پاس تھی اور اس میں جو ان کے حقوق وفرائض تھے، ان سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ نص کتاب کی رو سے ان کے دین میں یہ (خون بہانا) حرام ہے۔ اور جب لڑائی ختم ہو جاتی تو تورات کے حکم کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے۔ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ''**اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ**'' (یعنی: کیا تم بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟) کہ تورات کے حکم کے مطابق تم ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو تو اس جانب سے تم اس پر ایمان رکھتے ہو اور (دوسری جانب) تورات کے اس حکم کے باوجود کہ وہ قتل نہ کریں، ان کو گھروں سے نکالیں اور ان کے خلاف مدد نہ کریں، تم ان کو قتل کرتے ہو، تو اس جانب سے تم کفر کرتے ہو حالانکہ یہ بھی تورات میں لکھا ہوا ہے۔

الشیخ: اور قانون کے پرستار اور قانون دان متناقض، تناقض کا شکار ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: کیونکہ وہ اللہ کے احکام میں تفریق کرتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں تفریق کرتے ہیں۔ جو اُن کے خیال کے موافق ہو اسے قبول کر لیتے ہیں اور جو اُن کی خواہشات کے خلاف ہو اس کو رد کر دیتے ہیں اور یہ بہت زیادہ (عام) ہے۔ اور ہم بعض لوگوں کو حتیٰ کہ مسنون کاموں میں بھی اسی طرح پاتے ہیں۔ اور مسنون کہنے سے مراد صرف مندوب کام نہیں ہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی مراد ہے۔ تو وہ یہ تو کہتے ہیں کہ شام کا کھانا عشاء کی نماز سے پہلے کھاؤ کیونکہ یہ سنت ہے، لیکن مثال کے طور پر اگر داڑھی کے متعلق بات کریں یا ٹخنے ننگے رکھنے کے بارے میں بات کی جائے تو کہتے ہیں کہ نہیں۔ پس سنت تو وہی ہے جس کو وہ چاہے اور جہاں کوئی راستہ یا وسعت ہو اس کو اختیار کر لے تاکہ اس کی رغبات بھی پوری ہو جائیں۔

اسی طرح وہ فقہی اختلافات میں کرتے ہیں کہ جب وہ عورت کے چہرے کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ چہرے میں کچھ (وسعت) ہے۔ لیکن جب بات اس کی بیوی کے متعلق ہو اور وہ نہیں چاہتا

کہ اسے کوئی دیکھے تو کہتا ہے کہ چہرے کو کھولنا (ننگا رکھنا) جائز نہیں ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ نے نفاق رکھا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے قرآن کو اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور اس میں صرف وہی لیتے ہیں جو اِن کی خواہش کے مطابق ہو اور جو اِن کی خواہشات کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم اس (نفاق) سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

الشیخ: پھر اس آیت مبارکہ:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المآئدة: 50)

یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟۔

میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں پرستارانِ قانون کے پراگندہ ذہنوں کے تراشیدہ افکار کے زَعم و گمان کا کس طرح رد فرمایا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: ان کا سارا زورِ کلام پراگندہ ذہنوں اور تراشیدہ افکار کا نتیجہ ہے جو کہ بیکار ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کلام ''**اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المآئدۃ: 50)**'' (یعنی کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟) کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اور نہ ہی کسی کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے بہتر ہو سکتا ہے۔

الشیخ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص کا انکار کر رہا ہے جو اس کے محکم، ہر قسم کی خیر پر مشتمل اور ہر قسم کے شر سے دور رکھنے والے حکم سے نکل جائے اور اس سے ہٹ کر آراء و خواہشات اور لوگوں کی وضع کردہ (گھڑی ہوئی، بناوٹی) اصطلاحات کی طرف پھر جائے، جن کی اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی دلیل و سند نہیں ہے۔ جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی آراء اور خواہشات سے وضع کردہ جہالت اور گمراہی کے فیصلے کرتے تھے''۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ پہلی مثال ہے کہ اہل جاہلیت عربوں کے مشہور بازاروں مجنۃ، عکاظ اور ذی المجاز میں فیصلے کرواتے تھے اور وہ اپنے فیصلے طواغیت (طاغوت کی جمع) اور کاہنوں سے کراتے تھے۔ وہ فیصلہ کرانے کے لئے کاہن

یا شیخ القبیلہ (قبیلہ کے سردار) کے پاس جاتے تھے اور قسمت کے تیر نکالا کرتے تھے۔

الشیخ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام جاری ہے "جیسے کہ تاتاری ملکی سیاست میں اپنی ایک وضع کردہ کتاب سے فیصلے کیا کرتے تھے اور وہ مختلف شریعتوں سے لئے گئے احکام کا مجموعہ تھی جس میں کچھ احکام یہودیت سے، کچھ نصرانیت سے کچھ ملت اسلامیہ سے اور بہت سے احکام صرف اپنے خیال اور خواہش کے مطابق لئے گئے تھے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی فقاہت اور معاملہ فہمی ہے۔ اور وہ کتاب جس کا (حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ) نے ذکر کیا ہے وہ چنگیز خان کی مرتب کردہ کتاب قانون "الیاسق" تھی اور یہ قانون کی کتاب تھی۔

چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب "الیاسق" تھی جو کہ قانون کی کتاب کا درجہ رکھتی تھی اور جو بھی قانون اس میں لکھا گیا اس کی اصل بھی بیان کی گئی تھی۔ اور اس کے آخر میں مصادر بھی ذکر کئے گئے تھے۔ جب اس قانون میں کوئی چیز نہیں ملتی تھی تو قانونِ طبیعی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا یا پھر عدالت کی مبادیات (یعنی ابتدائی پہلوؤں) کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی شریعت اسلامیہ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا یعنی شریعت اسلامیہ کو احتیاطی مصدر کا نام دیا گیا تھا۔ اور احتیاطی مصادر میں بھی وہ پہلو نہیں تھا بلکہ تیسرے یا چوتھے درجے میں تھا۔

پس احکام اس نظام سے لئے جاتے تھے۔ اگر اس میں کسی چیز کے بارے میں (رہنمائی) نہ ہوتی تو عُرف کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اگر عُرف بھی نہ ہوتا تو طبع (Natural) قانون کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اگر یہاں بھی کوئی رہنمائی نہ ہوتی تو عدالت کے اصولوں کی طرف دیکھا جاتا اور کبھی قانون طبعی اور عدالتی اصولوں کو یکجا کر لیا جاتا۔ اگر پھر بھی کوئی چیز نہ ملتی تو پھر شریعت اسلامیہ کے اصولوں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ پھر بھی شریعت اسلامیہ کے احکام کو نہیں لیتے تھے بلکہ صرف اصولوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اور چنگیز خان نے اپنی کتاب "الیاسق" کے احکام مختلف شرائع جیسے یہودیت، نصرانیت اور ملت اسلامیہ سے لئے تھے اور اس سے بھی زیادہ اپنی خواہش نفس کے تحت اس نے قوانین وضع کئے تھے۔ تو "الیاسق" میں بہت سے احکام شریعت اسلامیہ سے ماخوذ ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ چنگیز خان نے شریعت اسلامیہ کو مصدرِ اصلی کی حیثیت سے لیا تھا نہ کہ مصدرِ احتیاطی کی حیثیت سے۔ (اور کبھی کبھی اس نے اسے اصل میں داخل کر دیا ہے)۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں شریعت کی روشنی میں فیصلہ کیا گیا ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن

میں شریعت کے تحت فیصلہ نہیں گیا لیکن اس کے لئے عذر تلاش کئے گئے ہیں۔ تو ان لوگوں کی کیا کیفیت ہو گی جو شریعت کو صرف مصدرِ احتیاطی کی حیثیت دیتے ہیں (کہ جب کہیں اور سے رہنمائی یا چھوٹ نہ ملے تو شریعت کو دیکھ لیا جائے) جیسا کہ عالم اسلام میں پھیلے ہوئے وضعی قوانین کی حالت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے اور اپنی عافیت میں رکھے۔ آمین۔

الشیخ: (ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام جاری ہے) تو چنگیز خان کی اولاد میں یہ کتاب قابل اتباع شریعت کا درجہ رکھتی تھی کہ وہ اللہ کے احکام اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسے مقدم کرتے تھے۔ پس جو بھی ایسا کرے وہ کافر ہے اور جب تک کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام کی طرف نہ پلٹ آئے، ان کے ساتھ لڑائی فرض ہے۔ کسی قلیل و کثیر چیز میں اس کے سوا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ"

یعنی وہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے اور چاہتے ہیں اور اللہ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔

لیکن: "وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ"

اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

یقین رکھنے والوں کیلئے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرمان کون ہو گا؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عدل و انصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اسی احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے، صاف، سہل اور عمدہ احکام و مسائل اور قواعد و ضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی کہ ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے۔ وہ پورے اور پختہ علم والا، کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل و انصاف والا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور قانون بنانے کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہو اور اللہ وحدہ لاشریک ہی ہر چیز پر قادر اور ہر چیز میں عدل کرنے والا ہے اور عاجز اور کمزور آدمی قانون بنانے کے لئے صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ والدہ کے اپنے بیٹے سے بھی بڑھ کر اپنی مخلوق سے رحم کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہ فرما دیا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَاکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ. **(الانبیآء: 107)**

اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ گمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمام جہانوں پر رحم کیا ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کفار کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہت سا حصہ حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ ذمی لوگوں کے جان و مال محفوظ ہو گئے اور محاربین بھی کہ جن سے مسلمانوں کی لڑائی جاری ہے، ان کے لئے بھی اسلام اور اہل اسلام کی لڑائی ایسی ہے کہ جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس میں کسی کا مثلہ کرنے کی اجازت نہیں، کسی بچے، بوڑھے، عورت اور اپنے عبادت خانے میں بیٹھ رہنے والے راہب کو قتل کرنے سے روک دیا گیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیا کرتے تھے۔

حتیٰ کہ مسلمانوں کی لڑائی غیروں کے لئے واضح طور پر رحمت کا باعث ہے کہ اس کے ذریعے پوری انسانیت میں عدل اور خیر عام ہو گئے، کیونکہ جب اس کے اصول امت اسلامیہ میں راسخ ہو گئے تو دنیا میں مشرق و مغرب میں پھیل گئے اور دنیا کی اقوام میں پھیل گئے۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اہل یورپ کو انسان کے انسان ہونے اور اس کے لئے حقوق اور عدل و انصاف کے واجب/ضروری ہونے کی پہچان ہی اس دین (اسلام) کے معروف ہو جانے اور اس دین اور نورِ مبین کے ظاہر اور عام ہو جانے کے بعد ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام جہانوں کے لئے رحمت کا باعث بنی حتیٰ کہ بہت سی وجوہات کی بناء پر جن میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان لوگوں کے لئے بھی رحمت ہے جو ایمان نہیں لائے۔ (بہت سی وجوہات میں سے کچھ کا ذکر تو ہم نے کر دیا ہے اور) باقی وجوہات کے ذکر کا یہ مقام متحمل نہیں۔

الشیخ: اس آیت سے قبل اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر یہ فرما دیا ہے کہ:

فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَ ھُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ (المائدة: 48)

اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کیجئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جائیے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس سے شیخ کی مراد ''سورۃ المآئدۃ'' کی وہ آیات ہیں جن کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے ﴿یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ﴾......﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ﴾ **(المآئدۃ: 41 تا 50)** تک ہے۔ یہ تمام آیات تحکیم ہی سے متعلق ہیں اور عنقریب ان کی تشریح ان شاءاللہ آ رہی ہے۔

الشیخ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (المآئدۃ: 49)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہیئے کہ کہیں یہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے اِدھر اُدھر نہ کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے بارے میں کہ اگر وہ فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو فیصلہ کرنے یا اعراض کرنے کا اختیار دیتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ جَآءُ وْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (المآئدۃ: 42)

اور اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل و انصاف کیساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ عدل کرنیوالوں کیساتھ محبت رکھتا ہے۔

اور ''قسط'' سے مراد عدل ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے سوا عدل ممکن ہی نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف فیصلہ ظلم و جور، گمراہی، کفر اور فسق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکامات) کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم

ہیں۔(المآئدۃ:45)۔

اور وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُوۡلٰٓئِکَ ھُمُ الۡفَاسِقُوۡنَ

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکامات) کے مطابق حکم نہ کریں وہی لوگ فاسق ہیں۔(المآئدۃ:47)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: بیشک اللہ تعالیٰ نے تین آیات میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے جیسے کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ **(المآئدۃ:42)**، دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ﴾ **(المآئدۃ:49)** اور تیسری آیت میں فرمایا: ﴿وَاِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِالۡقِسۡطِ﴾ (المآئدۃ:42) تو یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کسی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا جائز نہیں۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ ہی عدل وانصاف اور اس سے ہٹ کر فیصلے ظلم وجور اور کفر ہے۔

اور جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے فیصلے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اس کی مناسبت سے بعض علماء کی رائے تو یہ ہے کہ یہ اختیار ابتدائی آیات میں تھا۔پھر اللہ تعالیٰ نے اس فرمان:

وَاَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَھُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَ ھُمۡ

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی فیصلہ کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔(المآئدۃ:49)

سے ان کے فیصلے کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب کر دیا ہے۔اب فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں کہ ان میں فیصلہ کریں یا نہ کریں، بلکہ فرض تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ آیات میں نسخ نہیں ہے۔حقیقت میں پہلی آیت (جس میں اختیار دیا گیا ہے) وہ ایک قوم سے متعلق ہے، اور دوسری آیت سے مقصود دوسرے لوگ ہیں۔پس جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے یا اعراض کرنے کا اختیار دیا گیا وہ ایسی قوم تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت داخل نہیں تھی

اور نہ ہی وہ اس مملکت اسلامیہ کے متبعین تھے جس کے سردار اور حاکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جبکہ دوسرے لوگ ذمی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت تھے اور انہی میں سے وہ تھے جو آپ کے پاس لائے گئے تھے۔

اور ہمارے خیال میں راجح بھی یہی قول ہے کہ ان میں سے ہر ایک آیت مختلف قوم کے بارے میں تھی۔ تو جن کے بارے میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ ان میں سے نہیں تھے کہ جن میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا، اس لئے کہ یہودی مختلف انواع میں منقسم تھے۔ ان میں سے کچھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت تھے اور یہ یہودیوں کے وہ قبائل تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ ہجرت کر کے آنے کے موقع پر مصالحت کر لی تھی وہ آپ کے حکم کے ماتحت آ گئے تھے اور ان کے اور بھی قبائل تھے جیسا کہ کچھ خیبر میں آباد تھے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس وقت اختیار کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا (جیسا کہ غزوۂ خیبر)۔ مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ حکم ہی عدل ہے اور جو اس سے ہٹ کر ہے وہ ظلم، کفر اور فسق ہے۔

الشیخ: اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اور یہ تینوں جملے حکم کے بارے میں تین آیات کے آخر میں بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ انہی آیات میں سے ہیں جن پر اگلی سطور میں ہم ان شاء اللہ تفصیلی بحث کریں گے تاکہ یہ واضح کر سکیں کہ کیا یہ تینوں صفات ان پر صادق آتی ہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلے کرتے ہیں؟ یا کفار الگ قوم ہیں، ظالم الگ قوم ہیں اور فاسقین الگ قوم ہیں۔ پھر یہ کہ کیا یہ آیات اہل کتاب کے ساتھ خاص ہیں یا یہود، مسلم اور ان کے علاوہ ہر ایک کو یہ آیات شامل ہیں؟ یا ان کے مفہوم میں کچھ تفاصیل اور ''کفر دون کفر'' کا نظریہ بھی ہے۔

ان تمام چیزوں کا ذکر ان شاء اللہ آئے گا لیکن مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے، انصاف کیساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے اور

یہ بتایا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے۔

الشیخ: پس دیکھو لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلے کرنے والوں کے کفر، ظلم اور فسق کی گواہی کس طرح ریکارڈ کرائی ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو غیر ما انزل اللہ سے فیصلے کرنے والوں کو کافر قرار دے حالانکہ وہ کافر نہ ہوں۔ بلکہ وہ صرف اور صرف کافر ہیں چاہے عملی کفر ہو، چاہے اعتقادی کفر ہو اور جو اس کی تفسیر میں طاؤس وغیرہ کے واسطے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلے کرنے والا کافر ہے چاہے کفر اعتقادی ہو جو ملت سے ہی خارج کر دینے والا ہے یا کفر عملی ہو جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔

اس میں سے جو پہلی قسم یعنی کفر الاعتقاد ہے، اس کی مختلف اقسام ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ شیخ رحمہ اللہ کی فقاہت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس کی اس قدر تفصیلات بیان کی ہیں کہ میرے خیال میں ان سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلی قسم جو کہ اعتقادی ہے اور یہ وہ کفر ہے جو اس کے کرنے والے کو ملت سے خارج کر دیتا ہے یعنی وہ مرتد ہو جاتا ہے یا دین اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتا ہے، کہ جب تک اس کفر سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید نہ کرے دوبارہ، اس میں نہیں لوٹ سکتا۔

الشیخ: اس کی انواع میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ حاکم ''بغیر ما انزل اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنے والا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا حق ہونے کا انکار کرے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: النوع الاوّل: پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلے کرنے والا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی احقیق کا انکار کرے۔ یعنی یوں کہے کہ لوگوں کے لئے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے کرنا فرض اور واجب نہیں ہے یعنی وہ وجوب و فرضیت کا انکار کرے۔ ایسے آدمی کے کفر میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں۔ کیونکہ اس نے دین کی معلوم بالضرورۃ چیز کا انکار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے قطعی حکم اور سنت متواترہ کا انکار کیا ہے۔

الشیخ: اور یہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی قول کا مفہوم ہے اور مشہور مفسر علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔اس لئے کہ یہ اللہ کے نازل کردہ حکم شرعی کا انکار (اور اعتقادی کفر) ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ روایت کے مطابق حکم (شرعی) کا انکار کرنے والا کافر، ملت (اسلامیہ) سے خارج سمجھا جائیگا۔

الشیخ: اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی اگر کوئی قطعی ثابت شدہ حکم کا انکار کرے تو اہل علم کے نزدیک اس کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے یا جہاد کے وجوب یا ظاہر معلوم امور میں سے کسی امر کا انکار کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی اور ملت اسلامیہ سے خارج سمجھا جائے گا۔

الشیخ: اس لئے کہ یہ متفقہ اور ثابت شدہ اصول ہے کہ جو شخص اصولِ دین میں سے کسی اصل کا یا اجماعی فرع کا انکار کرے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعیت سے ثابت شدہ کسی ایک حرف کا بھی انکار کرے، وہ آدمی کافر ہے اور اس کا کفر اسے ملت سے نکالنے والا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ قسم انہی پر صادق آتی ہے جو علی الاعلان ردت اختیار کر لے یا جو حقیقت میں دین اسلام کا التزام ہی نہ کرے جیسے یہود و نصاریٰ اور ان کے اشباہ، جو کتاب وسنت سے تحکیم کو واجب خیال نہیں کرتے اور نہ ہی انسان پر نماز روزے کو فرض تصور کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے لئے زنا اور شراب نوشی سے بچنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ یہ تمام معاملات ان کے ہاں وجوب کے دائرہ میں نہیں آتے کیونکہ وہ لوگ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے ہی انکاری ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے ایک حکم بھی انکار کرے تو اس نے گویا کہ پوری شریعت کا انکار کیا، اگرچہ وہ اپنے مسلم ہونے کا زعم بھی رکھے۔ پس جس نے شریعت کے کسی ایک حکم کا انکار کیا اس نے پوری

شریعت کا انکار کیا۔

اور احکام کی نسبت سے یہ چیز ان لوگوں میں موجود ہے جو مسلم کہلاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے واجب نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دور بدل چکا ہے اور زمانہ مختلف ہو گیا ہے اور تحکیم ''بما انزل اللہ'' اس وقت واجب تھا جب انسانیت اور زندگی ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور حالات سادگی کے زیادہ قریب تھے لیکن اب تمدن، معاہدات اور انقلاب و ترقی کا زمانہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی تو یہ بات کھلم کھلا کہتا ہے اور کوئی اپنے عمل سے اس کا اظہار کرتا ہے (اگر چہ زبان سے نہ بھی کہے) اور یہ کفر کی پہلی قسم ہے جو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دینے والی ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے جہاں دس نواقض اسلام کا ذکر کیا ہے، اسے بھی ان میں شمار کیا ہے، یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (شریعت) کے مطابق فیصلے نہیں کرتے یا اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے مطابق فیصلے کے واجب ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے یا اس زمانے کے لئے اسلام کی صلاحیت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اصل میں مسلم نہیں ہیں۔

الشیخ: دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) سے ہٹ کر فیصلے کرنے والا، اللہ اور رسول کے فیصلے کے حق ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کا فیصلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے زیادہ بہتر مکمل اور جس چیز کے لوگ اپنے اختلافات میں محتاج ہیں اس کو بہتر طور پر شامل ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: پس پہلی اور دوسری قسم میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں (کہنے والا) کہتا ہے کہ اللہ کا نازل کردہ حکم اصلاً درست ہی نہیں جبکہ دوسری میں کہتا ہے کہ اللہ کا نازل کردہ حکم حق اور خیر تو ہے لیکن دوسروں کا حکم افضل ہے یہ بھی واضح کفر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اُس کی عافیت کے طالب ہیں۔

اور یہ معنی بہت سی کتب اور تعبیرات میں واقع ہے۔ ایک شخص آتا ہے اور تربیت، قانون یا معاشرتی نظام کے بارے میں بات کرتا ہے جس میں وہ روم اور یونان والوں کی حالت بیان کرتا ہے، پھر اسلام کے حوالے سے بات

کرتے ہوئے اور اسلام میں بیان شدہ توجیہات کا ذکر کرتا ہے اور بہت سی احادیث بھی نقل کر دیتا ہے اور پھر جدید نظریات کو بہت تفصیل سے بیان کرتا ہے اور اس کی فضیلت اور خوبیاں بیان کرتا ہے تو اس کے حال سے یہ چیز عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ ان نظریات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے افضل سمجھتا ہے، اگرچہ وہ اس قسم کی بات نہ بھی کرے لیکن اس کا اپنے موضوع کو بیان کرنے کا انداز و اسلوب اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اُس کی عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔

الشیخ: یا تو مطلق طور پر............،

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی بعض لوگ تو حکمِ غیر رسول کو مطلق طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے افضل سمجھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔

الشیخ: ....یا جدید حوادث وواقعات کی نسبت سے جو کہ حالات وواقعات کے تغیر سے پیدا ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: جیسے حکومتیں کہتی ہیں کہ شخصی احوال سے متعلقہ اُمور مثلاً طلاق، میاں بیوی کے درمیان تعلقات یا نفقہ اور عدت وغیرہ کے مسائل، تو یہ تو اسلام میں ایسے اچھے ہیں کہ ان سے بہتر کہیں نہیں ہیں۔ اس لئے ان مسائل میں اسلام ہی کی رہنمائی میں فیصلے کرائے جائیں۔ لیکن تجارتی پہلو اور کاروبار اور مزدوروں کی تنظیمیں اور مدینت (یعنی شہریت) کے قوانین وغیرہ، تو ان معاملات میں دین کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ اُمور بدل چکے ہیں۔

اور بعض لوگ حتی کہ مدینت اور شخصی احوال کے متعلق بھی یہی کہتے اور دعوی کرتے ہیں کہ انسان کے اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے بدل جانے سے یہ چیزیں بھی بدل گئی ہیں؛ نفسیاتی اعتبار سے بھی اور طرزِ عمل، طور طریق کے اعتبار سے بھی۔ تو جب تک یہ تغیر جاری ہے، ٹھیک نہیں ہوتا، اسی طرح اس میں دین کا حکم بھی درست نہیں۔ تو گویا وہ تمام اُمور میں دین کے حکم کا انکار کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اُس کی عافیت وسلامتی کے طالب ہیں۔

الشیخ: اس نظریے (کے حاملین) کے کافر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں کیونکہ اس میں مخلوقین کے احکام کو جو کہ محض

ذہن وسوچ وفکر کی پراگندگی ہے، صاحبِ حکمت وقابل تعریف ذات (اللہ) کے حکم پر فضیلت دینا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: شیخ رحمہ اللہ کے ہاں ایسا کہنے والوں کی تکفیر کی یہ علت (وعلامت) ہے۔

الشیخ: جبکہ اللہ اور رسول کا حکم اپنی ذات میں کسی دور ومعاشرے کے مختلف ہونے، حالات کے بدل جانے اور اُمور وواقعات کے جدید ہوجانے سے مختلف نہیں ہوتا۔ پس کسی بھی قسم کا کوئی جھگڑا ہو، اس کا حکم اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بطور نص دلالۃ یا ظاہراً یا بطور استنباط موجود ہے۔ جس نے جان لیا جان لیا اور جو جاہل رہا، جاہل رہا۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اللہ کا حکم تبدیل نہیں ہوسکتا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے پورا کر دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلاً .(سورۃ الانعام :115)

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے کتاب کو مکمل فرمادیا ہے جس کی خبریں سچی اور احکام عادلانہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے مفصل نازل فرمایا ہے کہ اسے ہر چیز کے لئے تبیان بنایا ہے اور ہر چیز کو شامل ہے اور ایسا حکم ہے کہ جس میں معین اور محدود احکام ہیں کہ وہ کسی زمانے، حالات یا معاشرے کے تبدیل ہوجانے سے نہیں بدلتے۔

اور جو بھی قضیے واقع ہوچکے ہیں یا واقع ہونگے ان کا حکم اللہ کی کتاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ میں موجود ہے یا تو نص کے ثبوت سے یعنی کوئی آیت یا کوئی حدیث اس پر دلالت کرتی ہو جیسا کہ آیات میں آیات الدین (قرضہ) اور آیات الربا (سود) میں ہے یا معروف احکام کی طرح جیسے روزے اور زکوۃ اور ان کے مثل دوسرے احکام اور اسی طرح ظاہری دلالت ہو سنت میں جیسا کہ معلوم ہے۔

یا ظاہری دلالت کے اعتبار سے ایسے کہ اس حکم پر نصوص کی ظاہر دلالت ہو اور یہ دلالت اس سے ہٹ کر اس سے بھی زیادہ راجح ہو۔ کیونکہ نص تو وہ ہوتی ہے کہ جس میں کسی دوسری چیز کا احتمال نہیں ہوتا جبکہ ظاہر وہ ہے جس میں کسی دوسری وجہ کا بھی احتمال ہو۔ اسی لئے کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہوتا ہے اور اجتہادات مختلف انواع اختیار کرتے

ہیں۔

یا استنباط کے لحاظ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم کو عقل مندوں اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے وسیع دائرہ کار بنایا ہے یعنی وہ اس میں غور وفکر کرتے اور اس کتاب نصیحت پُر حکمت کتاب قرآن مجید سے اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ پس وہ اسی سے اپنے فیصلے کراتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق جس کے شامل حال ہو وہی سب سے بڑا فقیہ ہوتا ہے۔ وہی استنباط، فقہ اور تدبر کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ وہ استنباط کرتے ہوئے اس چیز کو جان لیتا ہے جسے جاننے سے دوسرا قاصر رہتا ہے اور ہر ایک کے لئے اسکا اجر اور نصیب ہے۔

پس استنباط کتاب وسنت سے استدلال کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے اور یہ اب غالب ہے اس لئے کہ اس زمانے میں بہت سی پیش آنے والی اشیاء میں ہمارے علماء کرام اللہ تعالی کی کتاب قرآن مجید سے استدلال کرتے ہیں اور آج کل ان ایام میں پیش آنے والے واقعات میں حکم مستنبط کرتے ہیں اور یہ لوگوں پر بھی اور علماء پر بھی اللہ تعالی کا فضل خاص ہے۔

اور یہ اس کا فضل بھی ہے اور حکمت بھی کہ اس نے اس کتاب کو اس مرتبہ اور اس مقام پر رکھا ہے کہ اگرچہ اور بھی زمانے آجائیں اور حالات اس سے بدل جائیں اور مختلف شکلوں میں جدت اختیار کرلیں تو بھی اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو لائے گا جو اس کتاب سے مسائل اخذ کریں گے اور اس سے استنباط کریں گے اور لوگ اس سے فیصلے کراتے رہیں گے اور وہ (یقیناً) اس استنباط کے تقاضے پر عمل کر کے جسے اصحاب الفقہ اور فہم وفکر اور تدبر بیان کریں گے اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل کرنے والے شمار ہوں گے۔

الشیخ: اور جو علماء نے ذکر کیا ہے کہ حالات بدل جانے سے فتویٰ بدل جاتا ہے وہ یہ نہیں جس کا بعض لوگوں نے اپنی کم نصیبی اور احکام اور ان کی علتوں کے ادراک کی عدم معرفت کی بنا پر گمان کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کا معنی یہ گمان کیا ہے جو ان کے شہوانی و بہیمی ارادوں، دنیوی اغراض اور غلط وبائی یا بیمار تصورات کے موافق ہو، اسی لئے وہ اس کی وکالت کرتے ہیں اور نصوص کو اس کے تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں امکانی حد تک اس کے تابع بناتے ہیں (حتی کہ) اس کیلئے کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں۔ (تحریف کرتے ہیں)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ بہت اہم معاملہ ہے اور رات گزری ہوئی رات سے کس قدر مشابہ ہوتی ہے گویا کہ شیخ رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد کر رہے ہیں جنھوں نے آج کل فتوی تبدیل ہونے کے مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ انکی نظر میں زمان ومکان کے بدل جانے کی وجہ سے فتویٰ کے بدل جانے کا معنی یہ ہے کہ دین جدت کو قبول کرتا اور ان شہوانی ارادوں اور بہیمی اغراض کے مطابق جیسے وہ چاہیں، بدل جاتا ہے۔ تو وہ حکم کو تبدیل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فتوی بدل گیا ہے۔

مثال کے طور پر جب عورت کے لئے گاڑی چلانے کا مسئلہ درپیش ہوا اور علماء نے فتوی دیا کہ یہ (عورت کے لئے گاڑی چلانا) حرام ہے۔ اس وقت کہنے لگے کہ انتظار کرو، عنقریب فتوی بدل جائے گا جب معاشرہ اس کا عادی اور مانوس ہو جائے گا اور یہ معاملہ عام ہو جائے گا تو کچھ دوسرے علماء یا یہ علماء اس (عورت کے گاڑی چلانے) کے جائز ہونے کا فتویٰ دے دیں گے جیسا کہ انھوں نے پہلے بچیوں کی تعلیم کے حرام ہونے کا فتوی دیا تھا۔ یہ صرف جدت پسندوں کا الزام ہے حالانکہ ایسا کسی نے بھی نہیں کہا تھا اور جب تعلیم عام اور اس کی ضرورت واہمیت بڑھ گئی تو یہی لوگ جو حرام ہونے کا فتوی دیتے تھے اپنی بیٹیوں کو اعلی درجے کی تعلیم سے مستفید کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگے۔ اس میں کسی حد تک صداقت بھی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ فتوی بدل گیا ہے مگر اس لئے کہ لوگ بدل گئے ہیں اور ہم پر واجب ہے کہ ہم لوگوں کو حق کی طرف لوٹائیں جو نہیں بدلتا۔ ایک وقت تھا کہ لوگ کفار کو ناپسند کرتے تھے کہ ان سے کوئی مصافحہ کرنے کا روادار نہ تھا۔ جب کوئی کافر جزیرۃ العرب میں آتا تھا تو یا تو یہ دعوی کرتا تھا کہ کسی اسلامی ملک کی زیارت کرنا چاہتا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض نے کہا یا پھر اس کا معاملہ ظاہر ہوتا تو قتل کر دیا جاتا اس حال کے سوا کسی کے لئے حجاز اور نجد میں آنا ممکن نہ تھا لیکن اب ان میں سے ڈرائیور ہیں خدام ہیں، مینجر (منتظم اعلی) انجینئر مشیر اور ماہرین وغیرہ ہیں۔

تو کیا اس بارہ میں فتوی بدل گیا ہے یا ہم خود بدل گئے ہیں؟ ہاں ہم ہی بدل گئے ہیں اللہ عز وجل کا حکم تو نہیں بدل سکتا۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ وہ (کفار یہود ونصاری وھنود) نجس ہیں ان کے لئے جائز نہیں ہیں کہ وہ مسجد حرام کے قریب آئیں اور یہ کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ حکم مطلق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس کی وصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں نزع کے وقت رفیق الاعلی سے ملاقات سے تھوڑی دیر پہلے ہی کی تھی۔ تو اس کے بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے لیکن ہم ہی بدل گئے ہیں۔ اور فتوی بھی تبدیل نہیں ہوا یہ تو شہوات، دنیا کی محبت اور اس دار فانی کو باقی رہنے والی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ (نعمتوں) پر ترجیح

دینا ہے۔یہی ایمان کی کمزوری کا سبب ہے اور دوستی کا دشمنی اور محبت ونفرت کی کمزوری کی وجہ ہے اب لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ شہوات کی محبت کو اللہ کے حکم پر مقدم رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم پر فوقیت دیتے ہیں۔اس لئے یہ کوئی دلیل نہیں دلیل تو صرف دین ہی ہے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ثابت ہے شرعی احکام مقاصد وعلل اور زمان ومکان کے بدل جانے سے بھی نہ بدلنے والی مصلحتوں پر مبنی ہیں اور اسی لئے اللہ تعالی نے ہمیں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ کفار ہمارے کھلم کھلا دشمن ہیں:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا.

یہ لوگ تم سے لڑائی اور جنگ کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان سے ہوسکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں۔(البقرۃ: 217)۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

آپ سے یہود ونصاری ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع دار نہ بن جائیں۔(البقرۃ:120)۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ **(البقرۃ:109)**

چاہت رکھتے ہیں بہت سے اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ جو کافر ہیں کہ) کاش تمہیں ایمان لانے کے بعد تمہارے دین سے مرتد کردیں اس حسد (کی آگ کی وجہ سے) جو اُن کے سینوں میں ہے۔

اور اس کی مثل جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں احکام نازل فرمائے۔تو یہ احکام اور یہ آیات ایسے مقاصد شریعت، حکمتوں اور علل ثابتہ پر دلالت کرتی ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوں گے۔پس کافر کافر ہی ہے تیرے بارے میں اس کی سوچ کبھی بدل نہیں سکتی۔اس لئے تیرے لئے بھی جائز نہیں کہ تو اس کے بارے میں اپنے موقف میں تبدیلی لائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمام احکام مصالح کو ثابت کرنے والے اور مفاسد کی نفی کرنے والے بنائے ہیں اور مصالح ومفاسد اور خیر وشر ثابت شدہ چیزیں ہیں جو تبدیل نہیں ہوتیں۔ جہاں تک ضرورت یا بوقت ضرورت اباحت شیء کا مسئلہ ہے تو یہ دوسری چیز ہے۔کچھ اُمور ہیں جو ضرورت کے تحت آتے ہیں اور کچھ نہیں آتے جیسا کہ امام ابن

القیم رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔مثال کے طور پر (ضرورت کے وقت) مردار کھانا شراب پینا یا اس کے مشابہ کوئی چیز تو یہ مباح ہے جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ. (البقرة:173)

پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں۔

یہ حکم بعض احکام میں داخل ہے۔لیکن ایمان وکفر اور دلی دوستی تو اسمیں کبھی بھی کسی طرح کی بھی مجبوری نہیں ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے نص کے طور پر بتایا ہے کہ حالت اضطرار میں ایک ہی چیز معاف ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دے جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ (النحل:106)

بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

پس دل میں کسی قسم کی کوئی ضرورت نہیں اور کوئی بھی کسی کے دل کی تفتیش معلوم نہیں کرسکتا کہ اس میں کیا ہے جبکہ زبان کی بات سب سنتے ہیں اسی لئے انسان کے لئے جب وہ شدید عذاب وسزا میں مبتلا ہو جیسا کہ ابتدائے اسلام میں بعض صحابہ کرام میں یہ وقوع پذیر ہوئی، یہ جائز ہے کہ وہ فقط ان کی (ظاہری) موافقت کے لئے اپنی زبان سے کلمہ کفر کہہ دے۔اسی طرح جب ایک مسلم مجبور ہو جائے تو اس کے لئے (یہ جائز ہے) کہ وہ ظاہر کرے لیکن اپنے دل میں وہ حق پر یقین وایمان رکھتا ہو، وہ اس سے نہ ہٹے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰٮةً (آل عمران:28)

مگر یہ کہ ان (کافروں) کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔

تو ان کے کہنے کے مطابق فتاوی تو بدل جاتے ہیں لیکن احکام اور نصوص نہیں بدلتے، شارع کے مقاصد نہیں بدلتے اور اللہ تعالیٰ نے جو حکمتیں وابستہ کر رکھی ہیں وہ نہیں بدلتیں۔اسی لئے جب فتوی بدل جائے جیسا کہ ضرورت حالات سے ہوتا ہے تو وہاں کوئی نہ کوئی حکمت کوئی وابستگی، کوئی علت اور کوئی شرعی مصلحت مقصود ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اگر ہمارے اوپر مردار کو حرام قرار دیا ہے تو یہ کسی حکمت اور مصلحت مقصودہ کی وجہ سے ہے اور جب لاچار ومجبور کے لئے اسے جائز قرار دیا ہے تو بھی حکمت ومصلحت نہیں بدلی بلکہ موجود ہے اور وہ

جان بچانا ہے پس جب انسان اس حال کو پہنچ جائے یا تو وہ (بھوک سے) مر جائے یا پھر مردار کھالے تو اس لئے یہ حکم ہے کہ وہ کھالے۔تو یہاں مصالح موجود ہیں۔اس جگہ یہ مصلحت بڑی اور واضح ہے اور وہ حفظ النفس ہے۔ایک مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس مردار کو دین اور دنیا کے ضرر ونقصان کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے، اس کو چھوڑ دیا جائے لیکن یہاں ہم ایک مصلحت کو دوسری پر مقدم کرتے ہیں۔

تو مصالح باقی ہیں، حکم باقی ہیں، نصوص موجود ہیں اور ایسے ہی احکام بھی باقی ہیں صرف یہ ہے کہ یہ حالات کی مناسبت سے کبھی بدل جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مصلحت دوسری سے زیادہ اہم اور بڑی ہوتی ہے۔(یہ تو ممکن ہے) لیکن جب معاملہ لوگوں کی خواہشات، آراء اور شہوات کا پابند و مطیع ہو جائے یا معاشرے کی ترقی اور جدید معاشروں اور کافر وملحد معاشروں کے ساتھ مل کر چلنے کا ہو تو یہ ان حکمتوں اور مصالح سے نکلنا ہے اور اسی لئے اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔اور تب نہ ہی کسی کے لئے یہ کہنا روا ہے کہ فتوی بدل گیا ہے۔اور کہتا ہے کہ ہم تو اس معاشرے میں فساد پھیلانا اور عام کرنا چاہتے ہیں جب یہ ان میں پھیل جائے گا تو وہ اس کے جواز کو قبول کر لیں گے مثلا ہم بیس سال تک انتظار کریں گے جب اس کے بعد ہم اس نظریے کو پیش کریں گے تو اکثر لوگ موافقت کر لیں گے تو ہم فساد پھیلانے کے لئے کام اور جد وجہد کرتے رہیں گے تو بعد میں وہ موافق ہو جائیں گے۔

گویا ان کی نظر میں لوگوں کی رغبت اور خواہشات کی اہمیت ہے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ مسئلہ اصولوں اور اپنے شرعی احکام کے ساتھ مربوط ہے جو قطعی اور ثابت شدہ ہیں جو کبھی نہیں بدلتے۔

الشیخ: اسی وجہ سے وہ کلمات میں تحریف کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ کلمات کی تحریف اور آیات سے غیر موضوع استدلال ان سے بہت کثرت سے واقع ہوا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین بیان کرتے ہیں

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو زیادہ متقی

اور پرہیز گار ہے (سورۃ الحجرات:13)۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَة **(النحل: 97)**

جو کوئی عمل صالح کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور ہو وہ مومن، پس البتہ ہم انہیں حیاتِ طیبہ عطا کریں گے۔

اِنِّی لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى **(آل عمران: 195)**

بیشک یہ کہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ) تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کے کام کو ہرگز ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

ان آیات کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مذکر و مؤنث (مرد و عورت) برابر ہیں تو میراث میں یہ حالت کیوں مختلف ہو جاتی ہے؟ اور ہم ایسا کیوں کریں کہ عورت تو گھر کے کام کرے اور مرد نہ کرے؟ اسکے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دونوں کو برابر قرار دیا ہے اور اس (عورت) کے لئے بھی حقوق رکھے ہیں۔

تو وہ کلمات میں تحریف کرتے ہیں اور آیات سے وہ استدلال کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان کیا۔ ہاں یہ آیات برحق ہیں اور یہ آیت بھی حق ہے اور یہ بھی اسی کا فرمان ہے جس کے پہلی آیات تھیں اور وہ فرمان الٰہی ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى

اور (اے عورتو!) اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے دور کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار مت کرو۔ (سورۃ الاحزاب:33)۔

تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اوپر والی آیات اس مفہوم میں بیان نہیں ہوئیں جس میں یہ بیان ہوئی ہے اور یہ کہ اس کا اپنا حکم اور مقصود شرعی ہے اور ان آیات کا الگ حکم اور مقصود شرعی ہے دونوں کا شرعی مقصود الگ الگ ہے اور دونوں میں کبھی بھی تعارض نہیں ہو سکتا۔

الشیخ: اس طرح احوال و زمان کے تغیر کے ساتھ فتوی کے تغیر کے معنی سے علماء کی مراد یہ ہے کہ وہ اصول شریعت کے ماتحت ہو اور رعایت شدہ علت اور وہ مصالح جن کی بنیاد اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ہو۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس زمانہ میں مصلحت کی مثال کسی چیز کی لوگوں میں کثرت ہو جانا ہے جیسے آج کل شراب خوری پہلے سے زیادہ ہے۔تو جب تک یہ ایسے ہے ہمیں چاہیئے کہ جب ڈرائیور نشہ کی حالت میں حادثہ کرے یا کسی ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کرے تو اسے اس سزا سے زیادہ سزا دیں جو عام حالت میں قانون میں معروف ہے؟ یا جو حق بنتا ہے تا کہ یہ اس کے لئے ڈانٹ ڈپٹ ہو یہاں مصلحت یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی حرام کردہ چیز سے ڈرایا جائے تو اس لئے ہمیں اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

یہ بھی مصلحت کی مثال ہے کہ ہم اس کو سخت تعزیر دیں جو کوئی ایسی کتاب لکھے جس میں بے حیائی، آوارگی (فحاشی) اور فساد ہو جو زنا پر اکسائے تو اس میں کوئی مانع (رکاوٹ) نہیں کہ ہم ایسے آدمی کو سزا کے طور پر ایک مہینہ یا دو مہینے قید کر دیں اور نہ اس میں کوئی رکاوٹ ہے کہ اگر ہم محسوس کریں تو اسے سو کوڑے بھی لگا دیئے جائیں جو کہ پانچ ہفتوں میں پورے ہوں یا مناسب طریقے سے ہوں تو یہ تمام چیزیں موجود ہیں اور مصلحت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی چاہت اور مراد ہے اور یہ معاشرے کو ایمان والوں میں بے حیائی کے پھیلنے سے پاک صاف اور محفوظ رکھنا ہے اور ہمارے لئے ایسی کوشش جائز ہے جس کے ذریعے ہم اس مصلحت کے تحت کسی حکم یا سزا میں کوتاہی کو روک سکیں۔ یہ اس حد تک جائز ہے کہ یہ شرعی تعزیرات اور شرعی قوانین کے ماتحت رہے اور یہی چیز ہے جس کے بارہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فتوی تبدیل ہو گیا ہے اس لئے کہ لوگ تبدیل ہو گئے ہیں جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ لوگوں کیلئے فیصلے کرنے میں بھی ویسے ہی جدت اختیار کرو جیسے وہ مسائل میں جدت اختیار کریں۔

اور مصلحت کی مثال جو چند سال قبل ہم نے دیکھی کہ دیت پچاس ہزار تھی پھر اسّی ہزار ہو گئی یا ایک لاکھ بیس ہزار ہو گئی کیونکہ نقد قیمت بدل گئی مثلاً اس میں اصل اور بنیاد اونٹ ہیں اور اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے تو جب یہ قیمت بدل گئی تو فتوی بھی بدل گیا اور مصلحت قابل رعایت ہے اور وہ یہ کہ وہ جو بھی ادا کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہو۔

ایسے ہی جب مصلحت، علت اور حکمت کا خیال رکھا جائے تو فتوی تبدیل کرنا جائز ہے بلکہ کبھی ضروری ہوتا ہے بلکہ اس میں شریعت کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالی نے اس کتاب (قرآن مجید) اور اس کے احکام کو محکم بنایا ہے تو مصلحت کو ثابت کرنا جس حال میں بھی ہو یعنی جس زمان و مکان میں بھی ہو اسی

لئے علماء کا قول ہے کہ اصول وقاعدہ یہ ہے کہ جہاں مصلحت پائی جائے وہیں شریعت کا مقصود ہے۔اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی اٹھے اور کہنا شروع کر دے کہ لوگوں کی مصلحت یہ ہے کہ وہ سود کھائیں۔ہم کہیں گے کہ نہیں شریعت نے جس چیز کو حرام قرار دے دیا وہ مفسدہ ہے اس میں کسی حال میں بھی مصلحت نہیں ہوسکتی لیکن تبدیل ہونے والے جدید معاملات میں جہاں مصلحت ہو وہی مقصود شریعت ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اجتھاد کریں اور فقہ میں سب سے بڑھ کر وہی ہے جو اجتھاد میں کثرت اور وسعت سے کام لینے والا ہے۔

الشیخ: اور یہ بات معلوم رہے کہ اصحاب قوانین اس (مصلحت وعلت کی رعایت) سے دور اور بے تعلق ہی ہیں وہ تو صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی چاہتوں کے موافق ہو اور چاہتیں جو بھی ہوں۔اور صورت حال سب سے سچی گواہی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: قوانین بنانے والے لوگ (پارلیمنٹرین) کسی شرعی مصلحت اور قابل رعایت علت کو نہیں دیکھتے وہ تو صرف اپنی شہوات اور خواہشات کو دیکھتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی کفر اعتقادی جو کہ علت سے خارج کرنے والا ہے اس کی اقسام میں سے دوسری قسم مکمل ہوگئی۔

الشیخ: تیسری قسم یہ ہے (یعنی کفر کی وہ قسم جو ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والی ہے) کہ کوئی یہ اعتقاد تو نہ رکھے کہ غیر ما انزل اللہ (وضعی قوانین وغیرہ) اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بہتر ہیں لیکن یہ اعتقاد رکھے کہ وہ بھی اسی کی مثل ہیں (یعنی دونوں برابر ہیں)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی دونوں کو برابر سمجھے اور کہے کہ یہ بھی ٹھیک ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے جیسا کہ تاتاریوں نے کہا کہ دو آدمی عظیم ہیں ایک محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ایک چنگیز خان اور جیسا کہ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ احکام شریعت اسلامی اور خود ساختہ قوانین دونوں میں نفع ہے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کو شریعت اسلامیہ کے احکام کی اتباع کرنی چاہیئے اور اسی طرح خود ساختہ قوانین کی بھی اور یہ معاملہ برابر ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے

اس کی سلامتی اور عافیت کے طالب ہیں۔

الشیخ: یہ قسم بھی کفر خارج من الملة میں پہلی دونوں اقسام کی مانند ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: جو شخص اللہ اور رسول سے ہٹ کر دوسروں کے حکم کو اللہ اور رسول کے حکم کے برابر ہونے کا اعتقاد اور نظریہ رکھے تو وہ بھی پہلوں کی طرح ہی ہے یعنی ان کی طرح جو خود ساختہ قوانین کو اللہ کی نازل کردہ شریعت سے افضل سمجھے یا اللہ کی نازل کردہ شریعت کے حق ہونے کا انکار کرے۔

الشیخ: یہ کفر ملت (اسلامیہ) سے خارج کرنے والا ہے۔ کیونکہ مخلوق کو خالق کے برابر کرنا اس بات کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: تو وہ آدمی کافر ملت (اسلامیہ) سے خارج ہے کیونکہ اس نے مخلوق کو خالق کے برابر کر دیا اور کہا کہ یہ اور یہ حکم برابر ہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اہل جہنم کہیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ ٥ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اللہ کی قسم! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔ جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔(الشعرا:97-98)۔

وہ واضح گمراہی میں تھے کیوں؟ اس لئے کہ انھوں نے تعظیم، محبت، بزرگی ان کے حکم کی پیروی اور کلام کی اہمیت کے لحاظ سے ان معبودان باطلہ کو رب العالمین کے برابر قرار دے لیا تھا۔ یہی وہ عدل یعنی برابر کرنا ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کے شروع میں اس طرح سے کیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ **(الانعام: 1)**

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور (یعنی روشنی کو) بنایا پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

تو یہاں عدل سے مراد محبت اور تعظیم میں برابری ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیئے۔(البقرة:165)۔

اس سے یہ واضح ہوگیا کہ برابر کرنے کے معنی میں یہ شرط نہیں ہے کہ معبودان باطلہ کو خالق کے ساتھ خلق، رزق کی تقسیم، زندہ کرنا اور مارنا اور نظم ونسق میں ہی شریک کیا جائے تو برابری ہوتی ہے بلکہ اھل جاھلیت بھی خلق، رزق کی تقسیم، زندہ کرنا (مارنا)، معاملات کا چلانا اور بارش کا برسانا وغیرہ کو صرف اللہ تعالیٰ کے افعال ہونے کا ہی اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُo (الزخرف:9)

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے۔

اور ایک آیت میں "لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ" (البتہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے) کے الفاظ ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ان کا مسئلہ تخلیق کے لحاظ سے نہیں تھا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو خالق مانتے تھے مسئلہ تو اہمیت دینے اور عزت واحترام اور توقیر دینے کا تھا۔ تو جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور حکم اس (خبیث) وضعی قانون کی مثل ہے تو ایسا شخص کافر ہے کہ جو ملت اسلامیہ سے خارج ہے کیونکہ اس نے خالق اور مخلوق کو برابر کر دیا۔

الشیخ: اس کے کفر کی وجہ خالق اور مخلوق کے درمیان برابری کرنا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مخالفت ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ **(الشوریٰ)**

اس (اللہ) کی مانند کوئی شے نہیں ہے۔

اور اسی طرح کی دوسری آیات جو کہ رب العالمین کے کمال کے ساتھ منفرد ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جو آیات خالق کائنات کو مخلوقات سے ذات، صفات افعال اور حکم اور لوگوں کے متنازع فیصلوں میں تحکیم کے لحاظ سے برابری سے منزہ کرتی ہیں۔

اس کلام نے ہمیں شیخ محمد امین الشنقیطی کا کلام یاد دلا دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کا مستحق ہے اس کی کیا صفات ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللهِ ذَالِكُمُ اللهُ رَبِّىْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيبُ ۝ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ **(الشوری:10-11)**

اورتم جس بات میں اختلاف کرتے ہواس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا) یہی اللہ میرا رب ہے میں اُسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (وہی ہے) اُسی نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے (بنائے اور) اسی طریق پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذَالِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ **(البقرة:118)**

کہتے ہیں وہ لوگ جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔جو لوگ صاحبِ یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لئے ہم نے نشانیاں بیان کردی ہیں۔

اور بہت سی آیات ہیں جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔تو جس کی یہ صفات ہیں وہی اس کا مستحق ہے کہ اس سے فیصلے کروائے جائیں۔ جب کوئی یہ کہے کہ اللہ اور دوسروں کا حکم برابر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات (صفاتِ کمال) جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ منفرد ہے وہ کسی مخلوق کی نہیں ہوسکتیں، مخلوق کو ان صفات سے متصف کر دیا ہے۔اسی لئے ہم کہتے ہیں تاکہ اس معاملے کی اہمیت اور اس کا توحید اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ تعلق واضح ہوجائے۔شیخ محمد امین رحمہ اللہ نے ذکر کیا، اسے نقل کیا اور اسی کی طرف شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ نے بھی اشارہ کیا ہے۔اور ہم تو ہمیشہ سے یہی کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت ایک ہی شفاف چشمہ سے پیتے اور ایک ہی کنوئیں سے چلو بھرتے ہیں۔ان کے زمانے جتنے بھی مختلف کیوں نہ ہوں، یا الفاظ اور اجتہادات کتنے بھی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن ان کے اختیار کردہ احکام اور آراء میں اتفاق اور تشابہ موجود ہوتا ہے۔

الشیخ: چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے نازل کردہ احکام سے ہٹ کر فیصلے کروانے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلوں سے بہتر سمجھنا تو درکنار اس کے مماثل بھی نہ سمجھتا ہو لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف فیصلے کروانے کو جائز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔ یہ بھی اس سے قبل مذکورہ صورتوں کی مانند ہی ہے جو بات اُن پر صادق آتی ہے وہ اس پر بھی آتی ہے کیونکہ اس نے اس چیز کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھا جس کی تحریم صحیح، واضح اور قطعی دلائل ونصوص سے معلوم اور ثابت ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ حالت اکثر لوگوں کی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ تو نہیں کہہ رہے کہ (وضعی) قوانین سے تحکیم اللہ کے حکم کی مانند ہے۔ اسلام افضل ہے اور اسلام اور شرعی احکام تو تمام (وضعی) احکام وقوانین سے بلند تر ہیں لیکن وضعی قوانین سے تحکیم بھی جائز ہے۔ اور اپنے اس قول کی علت یا تو موجودہ سنگین حالات کو بناتا ہے اور یا کہتا ہے کہ کہیں اہل مغرب ہم سے ناراض نہ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

الشیخ: اور پانچویں قسم جو کہ سب سے بڑی، اشمل اور واضح تر ہے وہ شریعت کے ساتھ عناد اور اس کے احکام کی مخالفت اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اور اس میں شرعی عدالتوں کی مشابہت اختیار کی جاتی ہے کہ یہ شرعی عدالتوں کی طرح ہی قائم کی جاتی ہیں، ان کی امداد بھی کی جاتی ہے، اصول وفروع اور اشکال وانواع کے اعتبار سے انہیں شرعی عدالتوں کا مقام ہی دیا جاتا ہے۔ اور فیصلے کرنے اور بزور منوانے میں بھی اسی طرح کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور انہیں بھی ویسے ہی مرجع اور مستند قرار دیا جاتا ہے۔ اور جیسے کہ شرعی عدالتوں کے مراجع اور مصادر ہیں جو کہ صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہیں، ایسے ہی ان (وضعی) عدالتوں کے بھی مراجع ومصادر ہوتے ہیں جو کہ مختلف شریعتوں سے گھڑا ہوا قانون ہے یہ فرانسیسی، امریکی اور برطانوی وغیرہ (اقسام کے) قوانین ہیں اور اسی طرح شریعت کی طرف منسوب بعض بدعی مذاہب (جیسے دیوبندیت، بریلویت اور شیعیت وغیرہ) کے اصول وفروع بھی اس میں شامل ہیں۔

اور یہ لوگ اپنی اس بات کے لئے علت اور حیلے کے طور پر یا تو موجودہ حالات کو بیان کرتے ہیں یا اس وجہ سے کہ مغرب ہم سے ناراض نہ ہو جائے وغیرہ وغیرہ اور یہ دعوے پرانے ہیں جب بھی کسی حکومت کو اللہ کی نازل کردہ

شریعت کے مطابق حکومت کی دعوت دی جاتی ہےتو وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو مغرب ہم سے ناراض ہو جائے گااور ہم عالمی بینک (World Bank) کے تعمیراتی قرضوں سے محروم ہو جائیں گے۔

اور اسرائیل کہے گا کہ یہ انتہاء پسند ہو گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

توجو شخص بھی استثنائی حالت میں ''غیر ما انزل اللہ '' سے تحکیم کو جائز قرار دیتا اور اس کے جواز کے لئے کوئی علت و بہانہ ڈونڈھتا ہے اس کے باوجود کہ وہ اللہ کے حکم کے افضل اور حق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ کہ نہ تو کسی حکم کو اس کے برابر کرتا ہے اور نہ اس کے قریب ہی سمجھتا ہے اور یہی عدل بھی ہے۔لیکن اس سے ہٹ کر تحکیم کو جائز سمجھتا ہے تو یہ بھی کفر اکبر جو کہ ملت سے خارج کرنے والا ہے کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی عافیت اور سلامتی کے طلبگار ہیں۔

اور بہت سے لوگ اس طرف متنبہ نہیں ہوتے ، التفات نہیں کرتے ، اگر مسلمان عقیدہ کی اور توحید کی حقیقت کو جان لیتے اور کتاب اللہ (قرآن مجید) کی تعظیم کی حقیقت ،شعائر اللہ کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم کی حقیقت کو جان لیتے اور ان میں اللہ کے دین کے بارے میں غیرت ہوتی تو آج ان کی حالت موجودہ حالت سے مختلف ہوتی اور آج جو حالت ہو چکی ہے وہ کیوں ہے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صرف اس بات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ کوئی حاکم ،قانون دان یا وکیل ان سے صرف یہ کہہ دے کہ شریعت قانون سے افضل ہےتو کہتے ہیں کہ یہ آدمی بہت اچھا ہے۔ یہ صحیح مسلمان ہے اور اس میں بھلائی پائی جاتی ہے اور دین کی حقیقت کو پہنچاننے والے اور نہ پہنچاننے والے میں یہی فرق ہے(کہ وہ حقیقت کو تو پہچانتا نہیں) صرف حالات پر قیاس کر لیتا ہے۔

الشیخ: پانچویں قسم جو کہ سب سے اعظم ،اشمل اور شریعت کی مخالفت ،اس کے احکام کے ساتھ عناد و دشمنی ،اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت اور شرعی عدالت کے مشابہ ہونے میں واضح تر ہے۔

جیسا کہ شرعی عدالتوں کے لئے بھی معتمد مراجع ہوتے ہیں اور شرعی عدالت کا مرجع صرف اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے اسی طرح ان وضعی عدالتوں کے لئے بھی مراجع ہیں اور اس کا مرجع مختلف شرائع سے گھڑا ہوا قانون ہے اور بہت سے قوانین ہیں جیسے قانون فرانس، امریکی قانون برطانوی قانون وغیرہ اور بعض شریعت کی طرف منسوب بدعی مذاہب کے اصول بھی۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: تو یہ پانچویں قسم ہے جو کہ شریعت کی مخالفت اس کے احکام کے ساتھ معاندت (دشمنی) کے لحاظ سے زیادہ اعظم، اشمل اور واضح تر ہے کیونکہ پہلی اقسام میں تو اعتقادی نظریہ ہوتا ہے یا وہ انفرادی حیثیت سے ہوتی ہیں کہ کوئی فرد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرانے کو جائز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اسی پر کفر کا حکم لگے گا لیکن یہ پانچویں قسم اس لحاظ سے بڑی اور زیادہ نقصان دہ ہے کہ یہ اُمت کے لئے عام ہے۔ وہ اس طرح کہ کوئی ایک شخص اٹھ کر عدالتی نظام وضع کرے اور اسے ملک کے طول وعرض میں پھیلا دے اور اس کی مختلف انواع اور فروع قائم کرے اور مراجع اور مستمدات کرے جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ اور لوگوں پر اپنے اختلافات میں انھی عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کو لازم قرار دے اور اس کے علاوہ کی ممانعت کردے۔

تو یہ قسم بڑی اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے انکار میں زیادہ سخت ہے اگرچہ وہ اپنی زبانوں سے یہ کہتے رہیں کہ ہم تو اس (شریعت) کا اقرار کرتے ہیں کیونکہ اصل مقصود تو امر واقع یعنی عمل ہے اور وہ امت کو اس (وضعی عدالتی نظام) پر مجبور کرنا ہے اور اس میں شریعت کے ساتھ معاندت (دشمنی) بھی ہے جبکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم سے ہٹ کر حکم فرض کر دیا گیا اور اس میں احکام شریعت اور اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر شریعت بنالی گئی اور مؤمنین کے راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ان علامات میں سے ہے جو اس کے کفر اکبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور دیگر دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس طرح کی عدالتیں بنانے اور ان کی فروعات کھولنے میں شرعی عدالتوں کی مشابہت ہے کہ جن کے ہوتے ہوئے کسی دوسری چیز کا پھیلاؤ جائز نہیں۔ یہی شرعی عدالتیں ہی شہروں اور دیہات میں عام ہونی چاہئیں انہی کی فروعات، دستاویزات، مراجع ومصادر اور ہر چیز ہونی چاہیئے۔ لیکن یہی چیز دوسری عدالتوں اور دوسرے احکام کے لئے ہو تو یہ اللہ کی شریعت اور شرعی عدالتوں کی مشابہت ہے کہ جہاں اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں اور یہ مشابہت عدالتوں کے قائم کرنے، ان کی امداد کرنے، اصول وفروع اور اشکال وانواع، فیصلے کرنے اور انہیں بزور منوانے اور مراجع ومستندات کے اعتبار سے مشابہت ہے۔

یعنی یہ قانونی عدالتیں ایسے ہی بنائی اور مرتب کی گئی ہیں جیسا کہ اگر شرعی عدالتیں ہیں تو ان کے مراجع و مصادر، اعانت ریکارڈ (دستاویزات) اور انواع۔ اور یہ بہت عجیب چیز ہے۔ آج ہم اکثر بلاد اسلامی میں یہی عدالتی نظام پاتے ہیں۔ پہلے ابتدائی عدالت ہے۔ (سیشن کورٹ) پھر عدالت عالیہ (ہائیکورٹ) ہے اور یہ وہی ہے جس

میں ماتحت عدالتوں کے فیصلے کالعدم قرار دئے جاتے ہیں جن کو اپیل کورٹ بھی کہتے ہیں۔ اور ایک اس کے اوپر ہے جو سپریم کورٹ کہلاتی ہے جس کو قانونی ودستوری عدالت یا **مجلس الاعلی للقضاء** وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ اور طبعی طور پر قضاء (فیصلے) شریعت سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ پھر اداراتی عدالتیں ہیں اُمورِ تجارت سے متعلق عدالتیں، سول کورٹس، دیوانی عدالتیں اور مزدوروں کے امور سے متعلقہ عدالتیں وغیرہ اور ان کے مراجع مصادر ہیں۔

شرعی عدالت میں قاضی اللہ کے احکام یعنی قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتا ہے اور فقہ کی معروف کتابوں میں علماء کے مشہور اقوال کو دیکھتا ہے جبکہ ان عدالتوں میں جج قانون ساز اداروں اور قانون بنانے والوں کے ان اصولوں کی طرف دیکھتے ہیں جن سے قوانین اخذ کئے گئے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ہم نے فلاں فقیہ کے قول کی طرف رجوع کیا اور وہ بھی اپنے اصحاب کو فقہاء ہی کہتے ہیں اور جو فلاں فلاں قانون دان نے کہا اور ہم نے فرانسیسی قانون میں اس قانون کی دفع (آرٹیکل) کی طرف رجوع کیا تو ہم نے وہاں ایسے پایا اور اس کی بناء پر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے تو یہ واضح اور صریحی طور پر ان چیزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بلکہ معاملہ تو اس سے بھی تجاوز کر چکا ہے اور وہ اس کا حقیقت میں طبعی طور پر پھیلاؤ ہے اور ویسے بھی جب معصیت پر ہمیشگی ہو تو وہ ہمیشہ پھیلتی اور بڑھتی ہے۔ سب سے پہلے عدالتیں بنائی گئیں، پھر لاء کالجز بنائے گئے، پھر اس کی فروع اور چھوٹی اقسام شروع ہوئیں، پھر آخر میں یہ چیزیں قانون کی حیثیت اختیار کر گئیں اور پھر قانون کی تعلیم کے لئے مستقل ادارے اور کالجز بن گئے جو کہ ثانوی تعلیم سے لے کر ڈاکٹریٹ (پی۔ایچ۔ڈی) تک ہیں جن کے لئے اسپیشلسٹ پروفیسرز ہیں جو طلبہ کو پڑھاتے ہیں اور پھر ان کے مراجع اور مستمدات ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر ایک طالب علم کلیۃ الحقوق یا کلیۃ القانون سے فارغ ہو کر نکلتا ہے تو وہ قضاء (عدالتی نظام) کے مراحل میں سے ابتدائی درجے میں مقرر کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ ترقی کرتے کرتے سپریم کورٹ تک یا چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کے عہدے تک پہنچ جاتا ہے اور یہ سب سے بلند درجہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔

اس میں جیسا کہ شیخ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام اور شرعی عدالتوں کی مکابرت، عناد، مخالفت اور مشابہت وبرابری پائی جاتی ہے اور جیسا کہ شرعی عدالتوں کے مراجع ومصادر ہوتے ہیں جو کہ صرف کتاب وسنت ہیں ان عدالتوں کے بھی مراجع ومصادر ہیں اور وہ مختلف شرائع سے حاصل کردہ قانون، اور بہت سے قوانین ہیں جیسے قانون فرانس، امریکی قانون اور برطانوی قانون وغیرہ۔

اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عالم مغرب کے اکثر قوانین میں اور عالم اسلام کے قوانین میں فرانسیسی اوراس کی مثل دوسرے قوانین سے مدد لی گئی ہے۔ کیونکہ یہ قوانین قانون سازی پر قائم ہیں پس جس چیز میں بھی وہ کوئی قانون وضع کرتے ہیں وہ اس کے لئے ضروری مواد مہیا کرتے ہیں اسی طرح ہر حکم اور پہلو پر بھی مثلاً شہری قانون کا پہلو ہے تجارتی قانون کا پہلو ہے تعزیراتی جانب ہے اور مالی پہلو وغیرہ اس کے لئے وہ قانون سازی کا مواد وضع کرتے ہیں، پھر اسے لوگوں پر مقرر کیا جاتا ہے یا ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے مطابق فیصلے کریں اور اسی کی طرف رجوع کریں آرٹیکل نمبر فلاں آرٹیکل فلاں دفعہ فلاں وغیرہ وغیرہ۔ اسی کو وہ قانون سازی کہتے ہیں یہی مفروض شریعت سازی ہے جس کا قانونی مواد میں مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔

لیکن امریکی یا انگریزی (برطانوی) قانون اور اس کام میں امریکی بھی انگریزوں کے متبعین ہیں، میں تفصیلی قانون لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ یعنی حکم میں ان کے ہاں سابقہ نظام پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ عدالتی عرف، اور پھر عدالتیں جس سے متعارف ہوں۔ اسی لئے جب کوئی فیصلہ آتا ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ کیا پہلے تیس چالیس سال یا اس سے بھی زیادہ پہلے کسی عدالت نے اس قسم کا کوئی فیصلہ دیا ہے؟ اگر کوئی ایسا فیصلہ موجود ہو تو اس کی بنا پر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ اکٹھے ہو کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں اور پھر اسے مستقبل کے لئے یہی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے کہ بعد میں اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

اسی لئے اکثر عرب ممالک میں قانون حقیقت میں فرانسیسی قانون اور اس کے اشباہ سے ماخوذ ہے جیسا کہ قانون سویسری اور قانون نمساوی وغیرہ ہیں جبکہ امریکی و برطانوی قوانین تو یہ کوئی قوانین نہیں ہیں حتی کہ امریکہ میں اغلب طور پر کوئی معمول بہ قانون نہیں ہے جو دفعات پر مشتمل ہو۔ اصل معمول بہ عرف اور (سابقہ) فیصلے ہیں جو کہ اکثر ریاستوں میں اور نظاموں (منظمات) میں ہیں اور کچھ منظمات میں کسی حد تک شریعت سازی یا جسے وہ قانون سازی کہتے ہیں موجود ہے۔

الشیخ: اور بعض شریعت کی طرف منسوب بدعی مذاہب وغیرہ سے بھی۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: ہاں کبھی کبھی وہ وضعی قوانین کے ساتھ بعض شریعت کی طرف منسوب بدعی مذاہب سے اخذ

کردہ چیزیں بھی مختلط کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی نسبت جو شریعت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور وہ احکام میں بدعات کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور افسوس کے ساتھ یہی نمونہ اب عالم اسلام میں غالب کرنے اور نشر کرنے کا سوچا جا رہا ہے جیسا کہ جدید اسلام (زمانے اور حالات کے مطابق) کی بدعت ہے۔ یہ وہ خطرناک بدعت ہے جس کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کو زمانے کی مصلحت کے مطابق ہموار کر لیا جائے یا اس پر زمانے کا جدید لباس پہنا دیا جائے یا اسے ایسے تبدیل کر لیا جائے کہ وہ زمانے کے موافق ہو جائے یا اس طرح کی دیگر عبارات اور یہ ایسا خبیث دعویٰ ہے کہ جو نص قرآن مجید کا انکار تو نہیں کرتا یعنی قرآنِ مجید جیسے لکھا ہوا ہے ویسے ہی رہے لیکن اس کی قیمت و اہمیت مفقود ہو جائے اور اس کو ایسے بدل دیا جائے کہ اس کا معنی مفقود ہو جائے تاکہ وہ ان کے زعم (باطل) کے مطابق یہ زمانے اور حیات کی روح اور موجودہ تہذیب کے موافق ہو جائے۔

پس وہ لوگ براہ راست ضرورت کے تحت ہی وضعی قوانین کے تحت تحکیم کی طرف دعوت نہیں دیتے لیکن وہ تو کہتے ہیں کہ حالات و زمانے کے بدلنے سے فتوی بدل جاتا ہے اور ممکن ہے کہ کبھی حدود کا نفاذ موقوف کر دیا جائے اور بعض امور کے بارے میں نئے سرے سے غور و خوض کر کے ان میں اصلاح و ترمیم ضروری ہے اور بعض فیصلوں میں معین اقوال ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تمام اقوال کا پابند ہونا ضروری نہیں یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر زیدیہ، ھادویہ، شیعہ، اہل ظاہر یا کسی بھی مذہب کا کوئی قول موجودہ زمنے کے حالات سے مطابقت رکھتا ہے تو ہم اسے اختیار کر لیں گے۔

یہ کرنا کہ ہم لازم طور پر اجتماعی رائے یا جمہور کی رائے کو لیں اور اس اجماع سے شاذ اقوال کو چھوڑ دیں تو اس میں ان کے قول کے مطابق بربادی اور نقصان ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اجماع ایسی بات پر قائم ہو جو زمانے کے موافق نہ ہو اور وہ جدید زندگی کی روح کے ساتھ نہ چل سکتا ہو اور ممکن ہے کہ شاذ اور مرجوح قول یا کسی ایک گروہ کا قول یا تاریخ میں کسی ایک آدمی کا اجتہاد اس اجماع سے بہتر ہو۔

مثال کے طور پر ایسے لوگ طوفی کے اقوال کو لیتے ہیں اور یہ طوفی بہت ہی ضعیف اور عجیب آدمی ہے کیونکہ یہ فقہ کے لحاظ سے حنبلی تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ اشعری بھی تھا اور اس کا تعلق رافضی اور شیعہ فرقہ سے تھا تو یہ ساری چیزیں کیسے اکٹھی ہو گئیں؟ پس یہ جدید قول جسے طوفی نے بیان کیا جس کی فقہ اسلامی اور فکر اسلامی میں کوئی مثال نہیں ملتی وہ یہ قول ہے کہ ’’مصلحت نص سے مقدم ہے‘‘۔

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو چیز نص کے مخالف ہے وہ فساد کی جڑ ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ جب کوئی مصلحت ہو تو ہم اسے دلیل شرعی سے مقدم کریں گے۔ پس اس زمانے کے زمانہ پسند لوگ آئے اور اس سے بہت خوش ہوئے اور اسے ایک قاعدہ بنا دیا بلکہ اسے فقہ کا عظیم اور طویل وعریض قانون بنا دیا جو اسی بات پر قائم ہے کہ مصلحت وہ ہے جو ان کی نظر میں مصلحت ہو اور اس مصلحت کی بنا پر نص شرعی کی مخالفت بھی جائز ہے۔

قانون سازوں کے لئے یہ بات بہت احسن، مزیدار اور شیریں ہے کہ وہ ایسے شریعت کی طرف منسوب بدعتی لوگوں کے اقوال لیں کیونکہ حقیقت میں ان کے اقوال وضعی قوانین والوں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں اور تمام کا مقصود ایک ہی ہے اور وہ وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کے بارے میں بیان کیا ہے۔

اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِیۡقًا. (سورۃ النساء :62)

(قسمیں کھاتے ہیں) کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔

وہ لوگ اس دین اور ضروریات زندگی یا جدید زندگی کے مطالبات میں اس طرح سے موافقت کرنا چاہتے ہیں کہ دین نصوص میں لکھا ہوا باقی رہ جائے، لوگ اس کو پڑھتے، اس کے مطابق عبادت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے رہیں لیکن حقیقت میں کلمات کو انکی جگہوں سے بدل دیا جائے اور اس میں تحریف کردی جائے۔

اور احکام میں تصرف کر دیا جائے کہ ان میں سے کچھ کو لغو (منسوخ) کر دیا جائے، کچھ کی گردن مروڑ دی جائے اور کچھ کی حقیقت کو بدل دیا جائے الخ۔ تا کہ یہ ان لوگوں کی خواہشات کے موافق ہو جائے جو اپنے زعم کے مطابق دین اور حیات میں موافقت چاہتے ہیں۔

اس طرح کی تیار شدہ عدالتوں کے دروازے اکثر اسلامی ممالک میں آپ کو جا بجا کھلے ملیں گے۔

الشیخ: یہ (وضعی) عدالتیں آج کل ہمارے اکثر اسلامی ممالک میں مکمل طور پر تیار موجود ہیں (یہ شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے زمانے کی بات ہے جبکہ وہ 1389ھ میں وفات پا گئے تھے اور انھوں نے اپنا جو رسالہ 1380ھ میں مرتب کیا تھا۔ آج تو صحیح معنوں میں شرعی عدالتوں کا وجود بھی نہیں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نام کی حد تک ہے وگرنہ اس کے سارے ججز ماسوائے چند کے ریٹائرڈ جج صاحبان ہیں جو اسلام اور مآخذ اسلام سے نابلد ہیں) اور لوگ جماعت در جماعت ان کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: کیونکہ لوگوں کے سامنے ان عدالتوں کے سوا کوئی مقام نہیں جہاں وہ اپنے فیصلے کرواسکیں۔ تمام عدالتیں مختلف ناموں، انواع اور اشکال سے انہی کی تصویر ہیں۔

الشیخ: ان کے حکام ان کے مابین قرآن وسنت کے برخلاف اس قانون کے احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور ان کو ان پر لازم کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: احکام کو نافذ کرنے والی قوت ان پر ان فیصلوں کو لازم کرتی ہے یعنی حکومت کا وزیر اعظم اور اس کی کابینہ وغیرہ کے ذریعے لوگوں پر یہ فیصلے مسلط کیئے جاتے ہیں۔

الشیخ: اور انھیں اس پر ثابت رکھتے ہیں اور ان فیصلوں کو ان پر لازم کرتے ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر کون سا کفر ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے رسول ہونے کی شہادت دینے کے بعد کون سی مخالفت اس سے بڑھ کر ہوگی۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس کفر سے بڑھ کر اور کون سا کفر ہوسکتا ہے اگر چہ وہ لوگ اپنے مسلم ہونے کا دعوی بھی کریں اور اگر چہ نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں، لیکن وہ ان قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور اسے لوگوں پر لازم کرتے ہیں یا لوگوں کو اس کا پابند بناتے ہیں اور امت پر اسے حتمی قرار دیتے ہیں اور اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اعراض کرتے اور پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر شدید کفر نہیں ہوسکتا حتی کہ اگر چہ وہ یہ بھی کہتے رہیں کہ اللہ کی کتاب بہتر اور حق ہے لیکن انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے اور ان باطل قوانین سے فیصلے کرتے کراتے اور لوگوں پر لازم کرتے ہیں۔

ایسا کرنے والا کبھی مومن نہیں ہوسکتا۔ ان کی مثال اھل کتاب کے احبار کی سی ہے کہ جو کہتے اور اعتراف کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور رسول ہیں لیکن وہ خود ایمان نہیں لاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کی سنت پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے۔ تو جیسے وہ لوگ مسلم شمار نہیں کیئے جاسکتے، اسی طرح یہ لوگ ہیں جو اگر چہ اپنی

زبانوں سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلم ہیں، لیکن جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ مسلم نہیں ہو سکتے۔ اس حال میں ان پر وصف اسلام کیسے صادق آ سکتا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی کی مخالفت میں اس قدر آگے بڑھ رہے ہیں۔

الشیخ: جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے تفصیلی دلائل ذکر کرنے کا یہ مقام بھی نہیں ہے اور یہ دلائل معروف ومعلوم بھی ہیں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یعنی وہ دلائل جو اِن کے ''کفر خارج من الملة'' (یعنی وہ کفر جو ملت اسلامیہ سے خارج کرنے) پر دلالت کرتے ہیں جن میں سے الحمدللہ بعض کا ذکر ہو چکا ہے وہ معلوم ومعروف ہیں۔

الشیخ: تو اے عقلمندوں کے گروہ! اے اذکیاء (پاکیزہ نفوس) کی جماعتو! اور عقل والو! تم نے اس بات کو کیسے قبول کر لیا کہ تمہارے ہی جیسے لوگوں کے احکام اور تمہارے ہی افکار کے مشابہ افکار یا ان لوگوں کے جو تم سے بھی کمتر ہیں تمہارے اوپر جاری ہوں؟۔ وہ لوگ کہ جن سے خطاء کا امکان ہے بلکہ ان کی اخطاء صواب اور درستگی سے بہت زیادہ ہیں بلکہ ان کے احکام میں تو کچھ درست نہیں ہے مگر صرف وہی جو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے نص یا استنباط کے لحاظ سے مستفید ہو (اخذ شدہ ہو)

ڈاکٹر سفر الحوالی: واقعتاً ایسے ہی ہے کہ لوگ ان کو کیسے الٰہ بنالیں جو اِن ہی کی مثل بشر ہیں یا ان سے بھی کمتر ہیں اور ان کے احکام میں کوئی بھلائی اور درستگی نہیں ہے اگرچہ ایک ایک کر کے پیش کئے جائیں مگر وہی جو کتاب وسنت کے موافق ہو چاہے عمداً موافق کیا ہو یا بغیر قصد کے ایسا ہو جائے۔

الشیخ: تم نے ان کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ تمہارے نفوس، تمہارے خونوں، تمہاری عزت وآبرو، تمہارے اہل وعیال، تمہاری بیویوں اور اولاد، تمہارے اموال اور تمہارے سارے حقوق کے بارے میں فیصلے کریں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے سے انکار کرتے رہیں اور اسے چھوڑے رکھیں کہ جس میں خطاء کا

امکان ہی نہیں اور نہ ہی اس کے آگے اور پیچھے سے باطل کے درآنے کا کوئی امکان ہے کہ وہ حکمت والے قابل تعریف (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے نازل کردہ ہے

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہاں شیخ رحمہ اللہ، علماء، عقلاء اور عام اُمت سے مخاطب ہیں کہ جن پر یہ احکام فرض کردیئے گئے ہیں، اور ان کی اس رضا مندی کو ناپسند کیا ہے۔ اگر لوگ انکار کردیں تو یہ عدالتیں اور یہ احکام تبدیل ہو سکتے ہیں لیکن لوگوں نے اسے مزید ارسمجھ لیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کر لی ہے اور اس کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور اسے امر عادی یعنی معمولی یا متداول امر سمجھ لیا ہے۔

تم نے مسلم، مومن اور عقلمند ہوتے ہوئے اسے کیسے قبول کر لیا ہے؟ تم نے اس بات کو کیسے پسند کر لیا کہ ان وضعی قوانین سے تمہارے اموال، تمہارے خون، تمہاری عزتوں، تمہارے تمام قسم کے حقوق اور تمہارے اہل اور اولاد میں فیصلے کیئے جائیں؟ یہ کیسے ممکن ہے۔

اسی لئے جب شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ جو کہ شیخ محمد بن ابراہیم کے دادا تھے، کی دعوت سے کچھ علماء اور داعی متاثر ہوئے تو انہوں نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکومت کی ضرورت کا اعلان کیا اور یہ کہ فیصلوں کے لئے اللہ وحدہ لاشریک کی شریعت کی طرف ہی رجوع کیا جائے، اس وقت تمام شہروں میں ان کی فہرستیں مرتب ہوئیں اور ان کے خلاف جنگ کی گئی خاص طور پر یہود ونصاریٰ کی طرف سے جو اس بات کو جانتے تھے کہ امت کا ان کے قوانین کے مطابق تحاکم (یعنی فیصلہ) کرنا ان کی اتباع کرنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی قوم کسی دوسری قوم کے قانون کے مطابق حکومت کرے گی وہ انہی کے رواجوں اور حالات واحوال کی اور تمام امور میں انہیں کی تابع ہوگی وگرنہ اگر کسی کہنے والے نے کہا کہ میں زنا کو حرام سمجھتا ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان زنا کو حرام سمجھتا ہے لیکن ساتھ کہا کہ ہم زنا کے احکام میں قانونِ فرانس کے مطابق فیصلے کریں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ فرانسیسی قانون تو یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کسی ایسی عورت کے ساتھ زنا کرے جس کی عمر 18 سال سے زائد ہو اور بعض قوانین کے مطابق 17 سال یا 20 سال سے زائد ہو، مقصود یہ کہ وہ عورت بالغہ اور سمجھدار ہو اور یہ زنا دونوں کی رضا مندی سے ہو اور وہ عورت شادی شدہ بھی نہ ہو تو ان دونوں پر کوئی سزا نہیں ہے۔

تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ زنا کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن حقیقت میں اس پر کوئی حکم صادر نہیں کیا جا سکتا، اسے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جبکہ شرعی طور پر کسی مرد کا عورت سے علیحدگی میں ملنا بھی قابل تعذیر ہے اگرچہ وہ حالات ومقام کے لحاظ سے ڈانٹ ڈپٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اور کبھی تو یہ تعذیر قید اور کوڑوں کی سزا تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ فاحشہ یعنی فحاشی بنفسہ کوئی برائی نہیں ہے۔

اس صورت میں ایسے انسان کا یہ کہنا کہ ہم مسلمان ہیں، کیا معنی رکھتا ہے؟ جبکہ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ زنا حرام ہے اور واقع کے لحاظ سے قانون کے حکم کے مطابق ثابت شدہ ہے۔ اس لئے کفار جانتے ہیں کہ جو بھی ان کے قوانین کا اقرار کر کے اس کو لے لے گا، وہ انہی کا متبع ہوگا۔ تو جب اُمت کی تربیت اس قانون کے مطابق ہوگی تو آخرکار یہ اُمت بھی ہر چیز کو مباح قرار دینے والی ہو جائے گی جیسے کہ فرانسیسیوں کا حال ہے کیونکہ یہ بھی اسی قانون کے مطابق فیصلے کرتی ہے جس کے تحت اُمت فرانسیسی فیصلے کرتی ہے یا دوسری اُمم (کافرہ) وغیرہ۔

اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن اس داعی کے سامنے جو کسی بھی ملک میں لوگوں کو مکمل طور پر اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حاکم بنانے کی طرف بلائے، اس کے آگے بند باندھنے کے بہت زیادہ حریص ہوتے ہیں کیونکہ یہ چیز مکمل طور پر ان کے ان ارادوں کی مخالفت کرتی ہے جو وہ فحاشی اور رذالت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اور اس اُمت کی اپنے سامنے دست نگری اور غلامی کو باقی رکھیں تاکہ یہ اُمت (اسلامیہ) عیسائیوں اور دیگر کافر مغربی اقوام کی رکاب میں زندگی گزار دے۔

الشیخ: اور لوگوں کا اپنے رب کے حکم کا مطیع ہونا اور اسے تسلیم کرنا اپنے خالق کے حکم کی اطاعت کرنا اور تسلیم کرنا ہے تاکہ وہ اس کی عبادت کریں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: تمہارے مومن، اللہ کے عبادت گزار اور مسلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو اور صرف اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرو، وگرنہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے؟ اس کے علاوہ کسی کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوتے؟ پھر تم اس کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے بھی کرواتے ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ یہی وہ شرک ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ یہی تو وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی بیان کی ہے جن سے جہاد وقتال مومنوں پر فرض قرار دیا ہے اور جن پر جزیہ فرض کیا ہے ”حتیٰ کہ وہ ذلت

کے ساتھ اپنے ہاتھوں خود جزیہ ادا کریں'' کہ انہوں نے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ (التوبة: 31)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب (ومعبود) بنالیا ہے۔

پس اہل کتاب نے احبار و رھبان کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا یعنی انہوں نے منسوخ شدہ شرائع کو قانون کی حیثیت سے اختیار کرلیا کہ اپنے فیصلے ان کے مطابق کرتے تھے۔ جبکہ یہ لوگ تو اپنے فیصلے خود ساختہ شریعتوں اور وضعی قوانین سے کراتے ہیں۔ تو برائی کے لحاظ سے کون زیادہ بُرا ہے؟ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم کسی اسلامی ملک میں توراۃ کے احکام کے مطابق فیصلے کریں گے تو یہ شخص کافر اور مرتد ہے کیونکہ یہ منسوخ شدہ شریعت کے مطابق فیصلے کروانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دے دیا ہے، اور اس کتاب قرآن مجید کو پہلی کتابوں پر مھیمن اور ان تمام کے لئے ناسخ بنا کر نازل فرمایا ہے۔

پس جو شخص توراۃ کے احکام کے مطابق فیصلے چاہتا ہے وہ تو کافر و مرتد ہے، اس کے باوجود کہ توارۃ بھی اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جس میں کچھ احکام میں تحریف کردی گئی ہے اور کچھ احکام بغیر تحریف کے بھی موجود ہیں۔ اور یہ غیر تحریف شدہ اُمور کا تعلق عام طور پر احکام سے ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کی تحریف کا زیادہ رخ عقائد کی طرف تھا، اس لئے احکام میں تحریف کم ہے۔ جیسے سود اُن کے ہاں بھی حرام تھا لیکن جیسا کہ ہم نے بتایا کہ یہود نے اس میں تحریف کردی اور کہہ دیا کہ ''اپنے بھائی کے مال سے سود مت لو'' اور عیسائیوں کے ہاں بھی سود حرام ہے۔ اور ملاوٹ یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک حرام ہے اور بیوع کی کچھ وہ اقسام بھی ان کے ہاں حرام ہیں جن کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ''بیع الغرر'' ہے یہ اسلام میں بھی حرام ہے اور یہود و نصاریٰ کے ہاں بھی حرام ہے۔ اور ظاہری و باطنی فواحش حرام ہیں چاہے وہ زنا ہو یا لواطت ہو یا ان کے مشابہ وغیرہ۔

تو توراۃ کے احکام کا ضرر (نقصان) وضعی شرائع (قوانین) کے احکام سے خفیف تر ہے جسے انسانوں نے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے جیسا کہ نابلیون اور ان کے مثل دوسرے لوگ جو کہ فواحش کو فواحش خیال نہیں کرتے اور نہ سود کو سود اور برائی تصور کرتے ہیں۔ اور نہ ہی حرام بیوع کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ اس طرح کا کچھ۔ اس سب کے باوجود اور بہت افسوس کی بات یہ ہے کہ آج مسلمان شرک کے پہلوؤں میں سے اس جانب سے بہت سخت غفلت کا شکار ہیں اور کفر کے پہلوؤں میں سے جو تمام شہروں میں عام ہے، اور بہت ہی کم۔ اس کا انکار کرنے والے ہیں اور کم ہی ہیں جو

اس کے بارے میں بات کرتے ہیں بلکہ اکثر تو خاموشی کا روزہ رکھے ہوئے ہیں جبکہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے ہورہے ہیں اور کوئی اس میں عیب اور ذلت محسوس نہیں کرتا اور حج بھی کئے جا رہے ہیں، مسجد نبوی کی زیارت بھی ہورہی ہے۔ یہی مسلم تقرب بھی حاصل کرتا اور صدقہ بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ قانون (وضعی) بھی پڑھتا اور اس کے ساتھ لوگوں میں فیصلے بھی کر رہا ہے۔ اوراحبار ورھبان کے احکام بھی منسوخ شدہ شریعتوں کے وضعی احکام کی نسبت بہت زیادہ قریب ہیں اوراحبار ورھبان کے احکام کے مثل ہی اسلام کی طرف منسوب مشائخ کے احکام اور مشائخ کے سلسلے ہیں جنھوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو مباح اور حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ احبار یہود میں سے تھے کہ انہوں نے توراۃ میں ردو بدل کیا اس کے باوجود کہ وہ توراۃ پر ایمان بھی رکھتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہے۔ اور یہ مشیخت کے سلسلوں میں سے ایک شیخ ہے جس نے دین کے احکام کو حرام وحلال بھی قرار دیا اور اس میں کمی وبیشی بھی کی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی نظر میں اپنے آپ کو اہل دین اور اہل عبادت میں شمار کرتا ہے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ذکر فرمایا ہے:

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبة: 31)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب (ومعبود) بنالیا ہے۔

اور یہ لوگ (یہود ونصاریٰ) نہ تو ان کو سجدہ کرتے تھے نہ رکوع کرتے تھے، نہ ان کے لئے روزہ رکھتے تھے اور نہ نماز پڑھتے تھے۔ وہ تو ان کے حلال کردہ کام کو حلال اور حرام کردہ کام کو حرام سمجھنے میں اطاعت کرتے تھے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے ان کا کفر وشرک شمار کیا ہے۔

اور ان میں سے بھی کفر میں زیادہ سخت وہ لوگ ہیں جو ان اقوام کی اتباع کرتے ہیں جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ جو لادین علمانی ہیں اور آجکل مغرب کے ملحد قانون ساز ہیں۔ تو جو اُن کی طرف تحاکم کرتے ہیں وہ کفر کے لحاظ سے احبار اور رھبان سے تحاکم کی نسبت سے زیادہ شدید کفر میں مبتلا اور غیر اللہ کی عبادت میں زیادہ شدید طور پر مبتلا ہیں۔

الشیخ: تو جیسے مخلوق اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتی، اس کے علاوہ مخلوقات میں سے کسی کی عبادت نہیں کرتی، ایسے ہی ان پر واجب ہے کہ اسی حکمت والے، جاننے والے، قابل تعریف، شفقت ورحمت کرنے والے کے احکام کے

علاوہ کسی کے حکم کو تسلیم نہ کریں، کسی کے آگے نہ جھکیں اور فروتنی اختیار نہ کریں۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس سلسلہ میں قرآن مجید کے احکام بہت صریح اور واضح ہیں جیسا کہ سورۃ الانعام جو کہ بہت عظیم سورۃ التوحید ہے، جس میں تشریعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کی ضرورت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ **(الانعام: 14)**

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے سوا، جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو کہ کھانے کو دیتا ہے اور اس کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا، اور کسی کو معبود قرار دوں؟ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا اس طرح سے ولی (دوست) بنانا کہ اس سے ڈرنا، اس کو پکارنا، اس سے اُمیدیں وابستہ رکھنا اور اس سے بچنا جیسا کہ اولیاء وصالحین کے پجاری اور مُردہ پرست کرتے ہیں، شرک کے اعمال میں سے ہے۔ یہ شرک کی انواع میں سے ایک ہے اور یہ واضح ہے اور اس میں کسی قسم کی بحث یا نزاع نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ مبارکہ کے آخر میں فرمایا ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ **(الانعام: 164)**

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ میرا اور ہر چیز کا مالک ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ کیسے ہر چیز کا رب ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے:

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا

اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، خوشی یا کراہت سے سجدہ کرتی ہے

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ **(الاسراء: 44)**

اور نہیں ہے کوئی چیز بھی مگر وہ اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

اور یہ انسان جو ایک کمزور سی مخلوق ہے، یہ اللہ کو رب نہیں بناتا اور غیروں کو رب بناتا ہے، چاہے وہ پتھر کے گھڑے ہوئے صنم ہوں یا انسانوں میں سے ہی طواغیت ہوں، جیسے فرعون اور اس کے امثال وغیرہ۔ یہ بھی کفر کی معروف اور معلوم انواع میں سے ہے اور جس نے ایسا کیا، وہ کافر ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ مبارکہ میں فرمایا ہے:

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ حَکَمًا وَّ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتَابَ مُفَصَّلاً

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتابِ کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے (الانعام:114)

اور اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلاً لاَ مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ 0 وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ **(الانعام:115.116)**

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل و اکمل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں۔

تو جیسا کہ آپ اللہ کے علاوہ کسی کو معبود، ولی، رب، خالق اور رازق نہیں بناتے، ایسے ہی اس اللہ، جس نے مفصل کتاب نازل فرمائی ہے، کے علاوہ کسی کو حاکم (ومنصف) کیسے بناتے ہو؟ اور اس کے کلمات اخبار میں سچائی کے لحاظ سے اور احکام میں عدل کے لحاظ سے مکمل ہو چکے ہیں۔ ہم اللہ کے حکم کی مخالفت میں لوگوں اور بشر کی اطاعت کیسے کریں اگر چہ وہ زیادہ ہوں۔ اور اسی چیز کی گواہی اللہ تعالیٰ کا کلام دے رہا ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنے ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں۔ (الانعام:115)۔

اور وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ **(الانعام:121)**

اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لوگ تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

جھگڑا تو ایک ہی ہے جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ غیر اللہ کو حاکم بنانا، ایسے ہی ہے جیسے غیر اللہ کو ولی، الٰہ، خالق، رب اور رازق بنانا ہے جیسا کہ بعض غیر اللہ کو ولی وغیرہ بنانے والے زُعم رکھتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں مختلف نہیں ہیں۔ تب بعض مسلمان غیر اللہ کی عبادت کو (قبیح اور بُرا کیوں سمجھتے ہیں) غیر اللہ کے لئے نماز پڑھنے اور سجدہ کرنے کو، جبکہ اس وقت غیر اللہ کے حاکم بنانے کو وہ قبیح اور بُرا نہیں سمجھتے اور یہ کہ اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا جائے اور انسان/ انسانوں کے قوانین کو حاکم بنالیں اور انہیں قوانین الٰہی کا درجہ دے دیں اور ان کے ذریعے خونوں، اموال، اسباب، رقاب اور ابشار میں فیصلے کروائے جائیں۔

یہی کچھ کہنے کا شیخ ارادہ رکھتے ہیں اور کثیر دلائل میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

الشیخ: نہ کہ مخلوق کے حکم کو جو کہ ظالم و جاہل ہے، جسے شکوک وشبہات اور شہوات نے ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور ان کے دلوں پر غفلت، سختی اور ظلمات کا غلبہ ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: کسی مسلمان کے لئے تو علماء اسلام میں سے کسی عالم یا مفتی کی تقلید بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی ہر بات اور ہر فتویٰ کو تسلیم کر کے اس کی تقلید کرے، کیونکہ یہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شخصیت ہیں کہ ان کی ہر بات کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ان کے علاوہ ہر آدمی کی بات قابل قبول بھی ہوسکتی ہے اور قابل تردید بھی۔ جب علماء اُمت کے بارے میں یہ حال ہے اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) یا ان سے بھی زیادہ فضیلت رکھنے والے تابعین اور حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، تو قانون سازوں اور وضعی قوانین کے حاملین کے بارے میں یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ (ان کی ہر بات کو تسلیم کیا جائے) دینی اعتبار سے جن کی کوئی خوبی نہیں، نہ ہی دین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وہ تعلق رکھتے ہیں۔

جب ایک مجتہد عالمِ دین بھی غلطی کرسکتا ہے تو اس کافر وملحد کی کیا حیثیت ہے جس کے بارے میں شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں ظلم، جہالت، کفر، سرکشی، شکوک وشبہات اور شہوت پرستی (جیسی بُری صفات) جمع ہیں؟ اسی لئے ان کے قوانین اور احکام میں ایسے ایسے عجیب وغریب تناقضات (تضادات) آتے ہیں کہ اگر عقلمند انسان اس

پر غور کرلے تو وہ بھی اس کی تصدیق نہ کرے کہ وہ کیسے ان قوانین سے فیصلے کرواتے ہیں؟ کیسے ان کو مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور یہ بات نہایت قابل افسوس ہے کہ بہت سے لوگ حقائق دین سے جاہل ہیں کیونکہ مغربی ذرائع ابلاغ اس پر نگران اور داروغہ بنا ہوا ہے اور وہ دور بیٹھے ہوئے ہی یہودی ،صیہونی سیاست کے ذریعے یہ کام لے رہا ہے۔اسی طرح الحاد (یعنی کیمونیزم،شوسلزم اور لبرل ازم وغیرہ)،نصرانیت اور علمانیت وغیرہ کے ذریعے یہ کام کر رہا ہے۔وہ اس کی ایک خاص جہت متعین کرتے ہیں جس سے اکثر لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی حقیقت سے جہالت میں رہتے ہیں اور جب وہ اللہ کے احکام میں سے کسی حکم کو پاتے ہیں تو بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ تو اس کو جانتے ہی نہیں تھے۔انہوں نے تو یہ خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

Voice of America (وائس آف امریکہ ریڈیو) سے مسلمان عورت کے بارے میں ایک پروگرام نشر ہوا تھا جس میں اوھایو یونیورسٹی کی ماہر علم القرآن اور اسلامیات کی پروفیسر آئی تھی (یعنی مدعو تھی) اس نے کہا تھا کہ اسلام میں عورت وراثت میں حقدار ٹھہرتی ہے،اور اس نے کہا تھا کہ اسلام میں عورت اس قدر ملکیت کی حقدار ہے کہ بعض اوقات ہم مغربی عورتوں کے لئے تعجب خیز ہوتا ہے۔اور مملکت سعودی عربیہ جہاں میراث سے متعلق شریعت اسلامیہ کے احکام نافذ ہیں،وہاں عورت کل مال کے چالیس فیصد حصے کی مالک بنتی ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ (چالیس فیصد کا) عدد کہاں سے لیا گیا ہے لیکن یہ ہمارے لئے عجیب نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض عورتیں اتنی مقدار کی مالک بن جائیں،مثال کے طور پر اگر شہر میں کوئی بڑا کارخانہ دار فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوں،اور یہ چیز تو حتی کہ عامۃ الناس کے ہاں بھی ثابت شدہ ہے اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ بہت فخر کی یا بہت بڑی بات ہے۔

پس چونکہ وہ ان احکام سے جاہل رہتے ہیں،اس لئے ایک دفعہ ایک جریدہ غالباً ''الریاض'' اخبار میں تھا کہ ایک آزاد صحافیہ نے لکھتے ہوئے کہا تھا کہ: مغرب میں کارخانوں اور اس اس طرح چیزوں کی ملکیت رکھتی ہے، مالک بنتی ہے۔اس نے اس کے باوجود کہ ہمارے ہاں بھی عورتیں ملکاً یا وراثتاً کارخانوں اور مؤسسات (فیکٹریوں، کارخانوں اور بڑے بڑے اداروں) کی مالک بنتی ہیں یہ بات کہی۔اور یہ بہت واضح ہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم اس مرحلہ تک کب پہنچیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے کہ ان کے ہاں حسن و

اچھائی وہی ہے جو اہل مغرب کے نزدیک حسن ہے۔اوران کے اپنے ہاں جو محاسن ہیں وہ انہیں بھول چکے ہیں۔

ہم تو کہتے ہیں کہ اہل مغرب ظلمات (اندھیروں) میں زندگی گزار رہے ہیں اور دنیا ساری کی ساری اندھیرے میں اور ملعونہ ہے مگر جہاں رسالت کا سورج طلوع ہو گیا، سب لوگ اپنی انہی خواہشات، شکوک وشبہات اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

الشیخ: عقلمندوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس ذلت سے باز رکھیں، کیونکہ اس میں ان کیلئے جو بُعد، اھواء اور اغراض کے ساتھ تحکم اور غلطی وخطا کا امکان پایا جاتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ نص قرآنی کے مطابق کفر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (قوانین) کے مطابق فیصلہ (وحکم) نہ کرے، پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔(المائدۃ:44)۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس کے علاوہ بھی کہ یہ کفر ہے، ایک عقلمند انسان اپنے آپ کو اس چیز سے دور رکھتا ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کا بندہ بن کر رہے اور اللہ تعالیٰ تمام زمانوں میں لوگوں کو اسی یاددہانی کے لئے رسول بھیجتا رہا ہے جو اُن سے کہتے تھے کہ ''تم اپنے ہی جیسے انسانوں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ یہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، یہ تو اپنے نفع و نقصان اور زندگی موت کے بھی مالک نہیں ہیں......یہی امور ہیں جو عقلمندوں کو اس بات پر ابھارتے ہیں کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، جو کھلاتا اور پلاتا ہے جو رزق دیتا اور بیماری سے شفا عطا فرماتا ہے۔ جو ہنساتا اور رُلاتا ہے۔ جو غنی اور مالدار کرتا ہے۔ یہ سب کام صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو پھر کیسے اس کے علاوہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے؟

یہاں ایک بہت اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ اس عنوان وموضوع پر لکھنے اور بحث کرنے والے اکثر طور پر اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر تحکیم کرنے والوں اور اصل وفرع بنانے والوں سے پوچھیں گے، ہم ان سے کہیں گے کہ کیا تم اللہ کے حکم کا اقرار کرتے ہو یا اقرار

ہی نہیں کرتے ہو؟ کیا تم وضعی قوانین کو اللہ کے حکم پر فضیلت دیتے ہو یا نہیں؟ اور اسی بنیاد پر ہم ان کے خلاف حکم لگائیں گے۔ کیونکہ کبھی ممکن ہے کہ وہ وضعی قوانین کو ماننے کے باوجود فضیلت نہ دیتے ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفوس کی فطرت ہی یہ بنائی ہے کہ وہ ہمیشہ افضل کو ہی اختیار کرتے اور افضل پر ہی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ایسے جیسے کہ کوئی طالب علم کسی کالج میں پڑھ رہا ہو اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کالج میں جائے تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے کالج (جس کو چھوڑ کر آیا ہے) فضیلت دیتا ہے؟ کوئی عقلمند ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ہمیں اس سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ تم اس کالج کو اس کالج پر ترجیح وفضیلت دینے پر تیار ہو یا نہیں؟ ہم اس سے صرف یہ پوچھیں گے کہ تم نے اس کالج کو اس پر فضیلت کیوں دی ہے؟ عقلمند ایسے ہی کرتے ہیں کیونکہ اس کے عمل اور فعل سے اس کا فضیلت دینا تو معلوم ہو چکا ہے۔

ایسے ہی جب کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغامِ نکاح بھیجے، پھر اس کو چھوڑ کر دوسری لڑکی کی طرف مائل ہو جائے تو طبعی اور فطری طور پر اس سے پوچھنے کا سوال یہ ہوگا کہ تم نے اِس لڑکی کو اُس لڑکی پر فضیلت کیوں دی؟ اس سے یہ نہیں پوچھو گے کہ تم اس کو فضیلت دیتے ہو یا نہیں؟ کیونکہ کوئی عقلمند ایسا نہیں ہے کہ وہ جس چیز کو فضیلت دے پھر اس افضل کو چھوڑ دے۔ ایسے ہی یہ قوم ہے کہ لفظی اقرار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ احبار (علماءِ اہل کتاب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، لیکن انہوں نے کسی چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔

ایسے ہی ہم بڑے بڑے قانون ساز و دستور ساز لوگوں کو کہتے ہوئے پاتے ہیں کہ بیشک احکام شریعتِ اسلامیہ بہت عظیم، بڑے شاندار اور بہت مفید ہیں اور تہذیب وتمدن اور خیر ثابت شدہ ہے وغیرہ وغیرہ جیسا کہ یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا تھا۔ تو صرف ان کا یہ کہہ دینا ان کے ملت اسلامیہ سے خارج ہونے پر کبھی بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کو افضلیت دیتے ہیں۔ جبکہ صحیح معنی میں مومن وہ ہوتا ہے جو حقیقت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے حکم کو حقیقت پر فضیلت دیتا ہے۔ اور وہ مکمل طور پر اللہ کے نازل کردہ حکم کے ماسویٰ سے دور رہتا ہے۔

جب کوئی انسان یہ کہے کہ عدالتوں کی تشکیل نو اور نئی عدالتوں کے قیام کی ضرورت ہے اور قانون کی تدریس (کے مطالعہ) میں بہت زیادہ وسعت کی ضرورت ہے اور جدید مناصب اور نظام ترتیب دینا ضروری ہے؟ اس

حال میں کوئی عقلمند اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ وہ اللہ کے حکم کو افضلیت دیتا ہے یا قانون کے حکم کو۔ اور اس قسم کے کمزور شبہات وہی آدمی پیش کرتا ہے جو ایمان کی حقیقت کو نہیں پہچانتا کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایمان قول اور فعل (عمل) کا نام ہے اور ان کے ہاں ایمان کی چار انواع ہیں، جن میں سے پہلی نوع دل کا اقرار اور اعتقاد ہے، دوسری چیز دل کا عمل ہے، تیسری چیز زبان کا اقرار ہے اور چوتھی چیز اعضاء کا عمل ہے۔

جب کوئی شخص ایمان میں داخل ہونا صرف دل کے اقرار یا زبان و دل کے اقرار کو دل اور اعضاء کے عمل کے بغیر قرار دے تو وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ مذہب اہل سنت والجماعت کو جانتا ہے۔ وگرنہ بہت سے وہ لوگ جو نماز قائم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ نماز بہت اچھی چیز ہے اور جو شخص نماز کا پابند ہے وہ نماز نہ پڑھنے والے سے بہت اچھا ہے، اس کا صرف یہ کہنا اسے تارکِ صلاۃ کے احکام سے نکال نہیں سکتا یہ تو اس کے خلاف مزید حجت قائم کرتا ہے۔

اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں پر واجب تو یہ تھا کہ ہم اسے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر دوسری شریعتوں کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور بلادِ عالم اسلامی میں اسے لوگوں پر لازم قرار دیتے ہیں، حجت قائم کرنے میں مزید معتبر واجب قرار دیں، ہم اسے ان کے لئے عذر اور بطور صفائی پیش کرتے ہیں۔ سبحان اللہ (بطور تعجب بعض اوقات بولا جاتا ہے جیسے یہاں ہے) ایک آدمی کہتا ہے کہ اللہ کی عبادت افضل ہے اور وہ دن رات بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے ان سے دعائیں مانگتا اور ان کے نام کی نذر مانتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ اللہ کی عبادت افضل ہے، تو کیا اس کا یہ کلام مقبول ہوگا؟ اور وہ مومن اور توحید پرست رہے گا؟

لیکن یہاں بہت سے سوال اٹھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بعض لوگوں نے یوں کہا ہے تو کیا سب لوگوں کی تکفیر ہو جائے گی اور یہ دار الکفر کہلائے گا؟ اور افراد کا فر قرار دیئے جائیں گے اور اسی طرح تکفیر کی جائے گی؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور بعض لوگ مناقشہ (بحث و تمحیص) کرتے رہتے ہیں اور مشکلات بڑھ جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ اس موضوع میں داخل ہی نہ ہوں، بلکہ ظاہر پر ہی چھوڑ دیتے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے بلکہ ہم پر واجب اور لازم ہے کہ ہم کتاب و سنت کے علماء کے اقوال سے حق کے ساتھ حقائق کا سامنا کریں۔ یہ لوگ جو اس طرح کے احکام بلادِ اسلامیہ میں قائم کر رہے ہیں، جو اِن شرائع کی پیروی کر رہے اور مسلمانوں پر ان کی پیروی کو لازم قرار دے رہے ہیں، یہ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب بھی

کریں تو ان کی اس نسبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس طرح کی تنظیمیں مطلقاً غیر شرعی ہیں۔

اور افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں لفظ شریعت ملکی شریعت اور قانونی شریعت کے معنی میں استعمال کیا جارہا ہے جبکہ درست اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت شرع سے نسبت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ہم کبھی اللہ کی شریعت سے ہٹ کر کسی شریعت کو نہیں مانتے اور جب ہم شریعت کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کام کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اور اسے مشروع قرار دیا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے، وہ غیر شرعی ہے۔ اور اسی کا اعتقاد رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور ہر مسلمان پر اس کا جاننا ضروری ہے کہ یہ خالص عقیدہ لا الہ الا اللہ سے ہے جس کا معنی یہ ہے کہ طاغوت کے ساتھ کفر اور اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرة:256)

پس جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

بیشک مسئلہ بہت واضح ہے اور مجدد امام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے جب طواغیت خمسہ کی انواع کا ذکر کیا ہے تو اس کی دو قسمیں کی ہیں، طاغوت کی پہلی قسم تو ابلیس ہے جو کہ بشر نہیں ہے اور باقی چار اقسام انسانوں میں سے ہیں، جن میں سے دو حکم اور شریعت کے حوالے سے ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے صادر کرے اور دوسری یہ کہ وہ ظالم جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تبدیل کردے۔

یعنی انسانوں میں سے طاغوت کی چار اقسام میں سے آدھی حکم اور شریعت کے حوالے سے ہیں جیسا کہ عبادت، علم غیب، کہانت اور اس کی مثل وغیرہ میں طاغوت شرک ہے۔ یہ بھی طاغوت ہے اور وہ بھی طاغوت ہے۔ اس لئے علماء اور داعیان حق کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ شرک کے ایک پہلو اور طاغوت کی ایک قسم کے بارے میں تو بات کریں اور دوسری اقسام کو چھوڑ دیں۔ یہ تو ماحول اور حالات یا معاشروں کے حوالے سے ہے کہ ہر قسم کے طاغوت کے بارے میں کلام کی جائے یا شرک کی انواع میں سے ہر قسم کے بارے میں اس کے انتشار، خطرے اور ضرورت کے مطابق ایک متعین معاشرے میں بات کی جائے، لیکن ہم داعین کی ذمہ داری ہے کہ ہم ان سب کو متوازن اور مساوی نظر سے دیکھیں۔

الشیخ: چھٹی قسم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہٹ کر دوسری چیز سے فیصلے کرنے کی ہے وہ یہ ہے جو کہ دیہات میں قبائل کے سردار، جو فیصلے کرتے ہیں یا اسی طرح آباءواجداد کی حکایات اور عادات کہ جسے وہ سلوم کا نام دیتے ہیں (ہمارے ہاں اسے پنچائیت کمیٹی، ثالثی کمیٹی یا جرگہ کا نام دیا جاتا ہے) جسے وہ آباءواجداد سے وراثت میں پاتے ہیں، انہی سے فیصلے کرتے کرواتے ہیں اور جاہلیت کے احکام پر باقی رہتے ہوئے لوگوں کو اختلاف کے وقت اسی کی طرف فیصلے کروانے پر ابھارتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول سے اعراض اور بے رغبتی اختیار کرتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

یہ قسم قدیم بھی ہے اور جدید بھی ہے۔ یہ قدیم تب سے ہے کہ جب سے لوگوں نے توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے انحراف کیا ہے اور اپنی خواہشات اور اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت اختیار کی ہے اور یہ تاریخی اعتبار سے بھی قدیم ہے۔ اور اسی طرح یہ جدید بھی ہے کہ آج بھی اس روئے زمین کے بہت بڑے حصے پر قبائلی نظام جاری ہے۔ اسی نظام اور قانون کے مطابق لوگ چلتے ہیں اور یہ آج تک جاری ہے۔

اور اللہ کے دین اور اللہ کی ہدایت سے انحراف شدہ قوانین کی اصل یہ ہے کہ یہ عرفی قوانین ہوتے ہیں جو کہ لکھے نہیں جاتے۔ جس میں قبیلہ کے افراد میں معاملات ہوتے ہیں، قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اور مہذب تمدنی معاشرے کے وجود میں آنے سے پہلے کے معاشرے تاریخ کے مختلف ادوار میں انتشار کا شکار تھے۔ تاریخ قدیم میں روئے زمین کے اکثر معاشرے قبائلی معاشرے تھے۔ اور یہ قبائل آپس میں اکٹھے ہو کر طاغوتی نظام اور قانون بناتے تھے جن کے مطابق ان کے فیصلے ہوتے تھے۔ اور یہ برابر ہے کہ یہ قوانین قبیلہ کا سردار بنائے یا جادوگر اور کاہن ان کو وضع کریں یا جو بھی یہ قوانین بنائے۔ کیونکہ اکثر قبائل کی یہی عادت تھی۔ اور یہ وسطی اور جنوبی امریکہ کے قبائل اور افریقا کے سطحی علاقوں کے قبائل، وسطی ایشیاء کے قبائل اور ایشیاء کے دور دراز کے علاقوں میں موجود ہے۔

اسی طرح مشرقی جزائر ہندوستان کے قبائل اور آسٹریلیا کے قبائل میں یہ نظام موجود ہے۔ ان کے ہاں قبیلے کا سردار یا شیخ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ماہر (جادوگر) یا کاہن بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری آسمان کی طرف نگاہ رکھنے کی ہوتی ہے۔ ان کے اپنے زُعم کے مطابق جیسے کہ نجومیوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور فیصلے کو جو کچھ کرنا ہے اس سے باخبر رکھنا اور بارش کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں انہیں آگاہ کرنا اور اختلافات میں فیصلے کرنا وغیرہ ہے۔ اور زمانے کے ساتھ ساتھ قبائل میں قوانین بنتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں جو راسخ اور ثابت ہو جاتے ہیں حتی کہ انہیں قانون کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے فیصلے اس کے مطابق کرتے کرواتے ہیں اور اسی کے حکم کو قبول کرتے ہیں اس کے

علاوہ کسی حکم کو قبول نہیں کرتے۔

اور یہی قبائلی قوانین بعد میں لکھے ہوئے قانون کی شکل میں ظاہر ہوئے اور پروان چڑھے۔ پس جب معاشرے میل ملاقات، تمدن اور مادی تہذیب وتمدن میں ترقی کرتے اور آگے بڑھتے ہیں تو یہ لکھے ہوئے قانون کی شکل میں بدل جاتے ہیں۔ ان پر اکٹھ اور اتفاق سے انہیں کتابی شکل دی جاتی ہے۔ پھر یہ لکھے ہوئے دستور کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ آج بہت سے ممالک میں ہے جیسا کہ قانون سازی کی تاریخ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ یا عالم دنیا میں وضعی قانون سازی کی تاریخ میں ہے۔

دنیا کی اکثر اقوام میں یہی پہلو ہے اور دوسرے پہلو سے ہم خاص طور پر یورپ کو دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے نظاموں کی نسبت بھی نہایت بدتر اور برے نظام میں زندگی گزارتا رہا ہے۔ اور یہ جاگیردارانہ نظام ہے۔ اس میں انسان پر اس قدر ظلم وستم پایا جاتا ہے جو تاریخ عالم میں ظاہر ہونے والے کسی اور نظام میں نہیں۔ اور خاص طور پر جب یورپ قرون وسطیٰ میں، ظلمات میں غرق تھا جبکہ ابھی تحریک حریت یا تحریک آزادی جسے وہ لبرل ازم کا نام دیتے ہیں ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

وہاں قانون، شرع اور نظام جاگیر کا مالک بناتا تھا اور جاگیرداری کبھی کچھ دیہات پر مشتمل ہوتی تھی، کبھی اتنا علاقہ ہوتا تھا جسے آجکل صوبہ کہا جاتا ہے، یا ریاست یا ضلع کے برابر۔ یہ ساری زمین ایک ہی شخص (جاگیردار) کی ملکیت ہوتی تھی۔ اور یہ جاگیردار جو چاہتا تھا قانون بناتا تھا اور اپنی جاگیر میں رہنے والوں کے ساتھ جو چاہتا تھا سلوک کرتا تھا۔ وہاں کے رہنے والے تمام لوگ کھیتی باڑی کرتے، فصل کاٹتے، جمع کرتے اور مالک (جاگیردار) اس کو اپنے اختیار میں لے لیتا کیونکہ وہ زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کا مالک ہے، وہی مالداری کا اختیار رکھتا تھا اس لئے وہ تمام فصل اپنے قبضہ میں کر لیتا اور اس کا مالک بن جاتا اور وہی ان کی عورتوں، ان کے مال واموال اور ان کے خزانوں میں خود مختار ہوتا تھا اور ان کے فیصلے کرتا تھا اسے ہر چیز میں تصرف حاصل تھا اور جب پورے یورپ نے اس کے مزے اور شدت کو اچھی طرح چکھ لیا تو اسے عام کر دیا اور یہ ان غلطیوں میں سے ایک ہے جس کا مؤرخین ہمیشہ سے تشریع یا قانون سازی کی تاریخ میں معاشرتی انقلاب کی تاریخ یا علم معاشرے کا عمرانیات کی تاریخ یا تہذیب وتمدن کی تاریخ میں ارتکاب کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نظام اپنی اس شکل کے ساتھ پورے عالم میں عام ہے۔ پھر وہ موجودہ عالم اسلام کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (عالم اسلام) یہ تو آج بھی جاگیرداری نظام میں رہ رہا ہے اور یہ الزام

لگاتے ہیں کہ ممالک اسلامیہ جاگیرداری مملکتیں ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جاگیرداری نظام کی ایک شکل دولت عثمانیہ میں بھی موجود تھی لیکن مکمل شکل جو یورپ میں پائی جاتی تھی وہ کبھی نہیں رہی۔ اور اصلاً اس کا اسلام سے کوئی تعلق بھی نہیں۔ پھر اب یہ تبدیل بھی ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یورپ میں پہلا انقلاب انقلابِ فرانس تھا جو کہ حقیقی طور پر کم از کم اعلانیہ ظلم کے خلاف برپا ہوا تھا۔ اگرچہ انگریزی انقلاب اس سے پہلے تھا لیکن اس میں جاگیرداروں اور اس وقت پائی جانے والی بادشاہی حکومت کے ساتھ کسی حد تک نرمی اور مصالحت کا پہلو پایا جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد انقلابات آتے رہے اور یورپ کا آخری انقلاب روسی انقلاب تھا جو 1917ء میں برپا ہوا۔ پھر وہ مارکسی عربوں اور قوم پرست عربوں کے راستے سے تاریخ کو عرب بادشاہتوں تک پھیلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب میں جاگیرداری نظام مصر میں قائم ہونے والے انقلاب 1953ء تک موجود رہا اور انقلاب تموز (جولائی کا انقلاب) اور ستمبر سے شروع ہونے والا انقلاب اور وغیرہ وغیرہ۔ جب بھی سوشلسٹ انقلاب برپا ہوتا تو اپنے زعم کے مطابق وہ گمان کرتے کہ یہ بھی وہ انقلاب ہے جو جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کرنے والا ہے، حالانکہ یہاں یورپ جیسا جاگیردارانہ نظام موجود ہی نہیں تھا۔

مقصد یہ ہے کہ جاگیرداری نظام ظلم اور تسلط کا بدترین نظام تھا، جہاں قانون سازی (شریعت سازی) زمین کے مالک جاگیردار کی طرف سے ہوتی تھی۔ وہی ان کے لئے قانون وضابطے بناتا تھا اور یہ ظلم کی سخت ترین اور فحش ترین اقسام میں سے ہے۔ حتی کہ کسی جاگیر میں کسی آدمی کو یہ حق بھی حاصل نہیں تھا کہ وہ شادی کرلے۔ یا شادی کر کے اس وقت تک اس کو بیوی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھنے کا حق نہیں رکھتا تھا جب تک کہ جاگیردار کو نہ دکھائے۔ پھر اگر وہ عورت اس جاگیردار کو پسند آجاتی تو اس کے شوہر سے پہلے وہ اس کے ساتھ برائی کرتا تھا۔ اور اگر پسند نہ آتی تو چھوڑ دیتا تھا۔ یعنی وہ ظلم کی اس حالت اور انتہاء کو پہنچ چکے تھے جس کی کوئی مثال نہیں۔

افسوسناک اور المناک بات تو یہ ہے جس کا ہم ذکر کرنے لگے ہیں کہ جاگیرداری نظام نے بہت سے مسلمانوں کو مسخر کرلیا تھا اور انہیں بھی اپنی جاگیروں میں غلام بنا لیا تھا اور ان کا درجہ مزارعین اور کسانوں سے بھی کمتر تھا۔ یہ غلام وہ تھے جو اندلس سے نکالے اور برطرف کئے گئے تھے اور جو کہ صلیبی جنگوں میں قیدی بنالئے گئے تھے، انہیں اپنا دین کو چھوڑنے اور جاگیرداروں کے مزارعین کی خدمت کرنے اور غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا گیا۔

عام قاعدہ کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ ہر اس شخص کا معاملہ جو اللہ کو نہیں پہچانتا، جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو

نہیں مانتا اور اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا، اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ظلم، جہالت اور جبر وتسلط اس کے ساتھ رہتے ہیں اور خاص طور پر یہود ونصاریٰ اور ان کی مثل لوگ مسلمانوں پر مسلط رہتے ہیں۔

اور یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ سے اس چیز کی سزا ہے جو وہ کرتے ہیں۔جن چیزوں کا وہ ارتکاب کرتے اور دین میں جو افراط کا شکار رہتے ہیں۔

پھر یہ قبائلی نظام پوری دنیا حتی کہ عالم اسلام میں بھی مروج اور جاری ہے۔بلادِشام، اردن وغیرہ میں آج تک یہ قبائلی نظام جاری ہے۔خاندان، قبیلے کا شیخ حاکم اور قبیلے کے اعراف (جاننے والے جادوگر یا کاہن وغیرہ) لوگوں پر تسلط اور اختیار رکھتے ہیں اور انہی سے فیصلے کرائے جاتے ہیں اور بعض ممالک میں تو حکومتیں بھی قبائلی نظام کے احکام کو تسلیم کرتی ہیں کیونکہ اس طرح وہ لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات سے محفوظ رہتی ہیں اور اس لئے بھی کہ لوگ درحقیقت خاندانی احکام کو ہی زیادہ قبول کرتے ہیں۔حکومت انہیں جتنا بھی اپنے احکام منوانے کی کوشش کرے اور اپنے احکام وقوانین پر مجبور کرے، وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

اور افریقہ اور دوسرے مناطق میں وہاں پرانا اثر آج بھی جاری ہے اور وہ ایشیا کے اندرونی علاقوں پاکستان کے شمالی علاقوں اور افغانستان میں بھی جاری ہے۔

اور جزیرۃ العرب کے قبائل میں بھی یہی چیز موجود ہے کہ وہ قبائلی احکام کے مطابق فیصلے کرواتے ہیں وہ قبائل کے ''سلوم'' اور قبائل کی عادات کے مطابق کرتے ہیں اور یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔اگرچہ الحمدللہ آج کل زمانہ ماضی کی نسبت بہت کم ہے۔

لیکن اس مقام پر ایک پرانی دستاویز کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو کہ نماق اور زہران کے علاقوں سے متعلقہ دستاویزات میں سے ہے تاکہ ہم جان سکیں کہ کن کن چیزوں سے فیصلے کروائے جاتے تھے۔اور ممکن ہے کہ دوسرے بعض علاقوں میں اس سے بھی زیادہ سخت قسم کی اشیاء موجود ہوں۔لیکن یہ ایک نمونے کے طور پر ہے کیونکہ یہ معتبر مخطوط دستاویزات میں سے ہے یعنی یہ صرف عرفی قانون نہیں ہے بلکہ لکھا ہوا قانون ہے۔اور قبیلہ میں بڑی عمر کے لوگ اس دستاویز میں موجود ساری تحریر کو سمجھتے ہیں لیکن ہم اور ہمارے جیسے لوگ اس میں سے کچھ ہی سمجھ سکتے ہیں۔اس قبیلہ نے یہ تحریر 1260ھ میں لکھی تھی اور یہ ہمیں بہت سی چیزوں کے بارے میں سوچ فراہم کرتی ہے جسے ہم بیان کرنے لگے ہیں۔

سب سے پہلی چیز حکم کے فقدان کے بارے میں ہے جبکہ کوئی مرکزی حکومت نہ ہو، اس صورت میں لوگ معروف اور مانوس چیزیں بنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں سے قبائل کے ساتھ اتفاقی معاہدات میں شیخ القبیلہ (یعنی قبیلے کے سردار) کردار شروع ہوتا ہے۔ وہاں قتل، لوٹ اور بازار تجارت ہوتے تھے اور ہر قبیلے کی حدود ہوتی تھیں۔اس لئے ان کے لئے ضابطہ وقانون کا بنانا ضروری تھا۔ یہ دستاویز جسے ''شدۃ'' کا نام دیتے تھے اور یہ بمعنی عقد یا معاہدہ کے ہے۔اور یہ ہمیں ترقی کی ایک سوچ کا نمونہ فراہم کرتی ہے۔اس میں کچھ شرعی احکام بھی ہیں اور کچھ چیزیں حقوق کے تحفظ کی قسم سے بھی ہیں۔اور جیسا کہ مخفی نہیں ہے اس میں واضح وصریح مخالفات بھی ہیں۔

اس دستاویز کی ابتداء اس طرح سے ہے:

ہر قسم کی تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اچھا انجام متقین کے لئے ہے۔ تحقیق مسلمانوں کی جماعت میں سے لوگ حاضر ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

اور پھر نام ذکر کئے گئے جن کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کہتے ہیں:

یہ موروثی معاہدہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس زمین اور جو کچھ اس پر ہے کا وارث بن جائے اور وہی بہتر واث ہے۔ جب تک اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، جب تک پانی بہہ رہا ہے جب تک کوا سیاہ رنگ کا ہے اور لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہیں۔

یہ چیز دو قبائل ''رھوۃ'' اور ''نماق'' جن میں یہ معاہدہ تھا، میں معاہدے میں تاکید کی تقویت کے لئے ہیں، کیونکہ ان کے پاس ایسی کوئی قوت نہیں تھی جو اس کی محافظت کرتی یا اس کو کنٹرول کرتی۔ یہاں تک کہ اس میں بعض احکام ذکر کئے گئے ہیں اور اس میں پہلا حکم یہ ہے:

''ہر چیز میں مثل در مثل کا معاملہ ہوگا''۔

اور یہ قاعدہ بالکل درست ہے جبکہ کسی شرعی نص کی مخالفت نہ ہو۔یعنی بازاروں اور تجارتی معاملات میں مثل در مثل کا معاملہ ہو۔کہتا ہے:

''بازار ذمہ داروں میں سے ہے کہ پڑوسی پڑوسی کا ضامن وکفیل ہے اور راستے اور پیچھے آنے والا اور مہمان جو بھی اس بازار میں آئے گا وہ اس کا ضامن ہوگا''۔

ان میں قاعدہ یہ تھا کہ بازار ہر کاروباری کا ذمہ دار ہوگا۔ جیسے کہ مثال کے طور پر ہمارے ہاں ایک بستی میں

بازار ہفتے کے دن لگے اور دوسری بستی میں اتور کے دن۔ تو جس بستی کا بازار اتوار کے دن ہے تو بازار کی حدود اور اس کے اردگرد جو وقوعہ بھی پیش آئے، قتل ہو یا کوئی اور مشکلات پیش آئیں یا چوری یا کوئی مشکل پیش آئے، وہ اس قبیلے کی ضمانت اور کفالت میں ہے جس قبیلے میں بازار ہے۔ یعنی اس قبیلے کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑوسی، کمزور کی حفاظت کرے اور مظلوم کا حق دلائے یہاں تک کہ اسے اپنے قبیلے کی حدود سے نکال کر دوسرے قبیلے کی حدود میں داخل کر دے۔ تو جب وہ کسی دوسرے قبیلے میں پہنچ جائے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

تو بازار والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُمور یا احکام یا عقود وضع کریں جن کی وہ پابندی کریں کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کوئی مرکزی ادارہ نہیں تھا جو ان امور کی محافظت کرتا۔ استشہاد ان کا یہ قول ہے:

''مقروعات (قرعہ سے فیصلہ کرنے والی چیزیں) اور مشتبہ چیزوں میں عارفۃ (جاننے والے بڑے) کی بات تسلیم ہوگی''۔

تو جب معاملات اشتباہ میں پڑ جاتے تھے تو فیصلے بڑے کی رائے اور قول کے مطابق کرتے تھے۔ قول عارفہ سے مراد مہارت رکھنے والا آدمی ہے۔ پس جب ماپ، وزن یا دیگر اُمور میں شبہ میں پڑتے تھے تو یہی ماہر آتا تھا جو کہ اس موضوع میں معلومات رکھنے والا انسان تھا اور کہتا تھا کہ نہیں نہ اس طرح نہ اس طرح۔ تو وہ دونوں طرفین میں فیصلہ کرتا اور یہ صلح ہوتی تھی اور لوگوں پر اس کا تسلیم کرنا لازم ہوتا تھا اور وہ اس کو تسلیم کرتے تھے اور ایسے ہی انتقام اور قتل کے معاملات تھے۔ لیکن اس نظام کی اصل حیثیت مہارت رکھنے والے کی بات تھی۔ اس کے بعد کہتا ہے:

''ہر چیز اپنی مثل کے مطابق ہے''۔

یہاں تک کہ پڑوسی کی ہجرت کے متعلق کہتا ہے:

''اس کا گناہ اس کے پہلو پر ہے''۔

ان کے ہاں جوار کا نظام تھا اور جب کوئی انسان قتل کر دیتا یا اپنے شہر میں کسی مصیبت کا ارتکاب کر بیٹھتا تو اپنے حمایتی قبیلے کا پڑوس اختیار کر لیتا۔ اسی قبیلے میں رہائش اختیار کر لیتا اور انہی میں رہتا حتی کہ بعض اوقات اس کا شمار اسی قبیلے سے ہوتا تھا اور وہ اپنی اصل کو بھول جاتا تھا۔ تو جب وہ کوئی ایسا کام کرتا تو اس کا گناہ اسی کے پہلو پر ہوتا کوئی قبیلہ بھی اس کا دفاع نہ کرتا اور نہ ہی کوئی اس کا محاسبہ کرتا، لیکن اگر اس پر کوئی زیادتی کرتا تو قبیلہ اس کی حفاظت ایسے ہی کرتا جیسے اپنے خاندان کے کسی آدمی کی کرتا۔

یہ صرف ایک مثال کی طرح ہے۔ اور اس میں ہم جدید قانونی عرف بھی پاتے ہیں۔ بین الملکی یا بین الاقوامی قوانین بھی موجود ہیں۔ جب ہم یہ اعتبار کر لیں کہ ایک قبیلہ ایک ملک کی مانند تھا۔ تو یہ بین الملکی قوانین بھی رکھتا ہے جو کہ ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ فوجداری قوانین پر بھی مشتمل ہے جیسا کہ ان کے کلام میں قتل اور دیت کے معاملات ہیں۔ اور معاملات اور تجارتی احکام پر بھی مشتمل ہے جیسا کہ بازار کے احکام کے بارے میں کلام ہے۔ اور مزدوروں کے احکام پر بھی مشتمل ہے جیسا کہ وہ اسے آجر اور اجیر کے احکام کا نام دیتے ہیں۔ جب وہ قتل کر دے یعنی ان کے معاشرے کے احکام تقالید اور قواعد و قوانین ان کے دور کے مطابق تھے جو کہ مکمل قوانین یا مسودات یا تیار قوانین سے عبارت ہیں۔

یہ دستاویزات ان احکام کا نمونہ ہے جن کے مطابق وہ فیصلے کرتے تھے اور ممکن ہے کہ بعض قبائل کے ہاں ان سے بُرے اور سخت قوانین بھی ہوں۔

اور جو کچھ ہم نے پڑھا اور اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ وہ کبھی کبھی چور کے بارے میں فیصلہ کرتے تھے کہ اس کا ایک چوتھائی مال لے لیا جائے یا معین رہن رکھا جائے اور جب کسی انسان سے زنا سرزد ہو جائے اور زنا اس پر ثابت ہو جائے تو اس سے بھی مظلوم کو فدیہ دلایا جاتا تھا اور حتی کہ حدود میں بھی ان کے ہاں قوانین تھے جن کی طرف رجوع کرتے تھے۔

یہ قوانین اور احکام جو ان میں موجود تھے جیسا کہ شیخ نے ذکر کیا ہے یہ ''**بغیر ما انزل اللہ**'' کی اس قبیل سے ہے جو ملت سے خارج کرنے والی ہے کیونکہ یہ اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر دوسری شریعت کے مطابق فیصلے کرنا اور اس کو لازم پکڑنا ہے۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کی شریعت چاہتے ہیں اور پھر اس میں غلطی کر بیٹھتے ہیں لیکن اس لئے کہ انہوں نے عہد و پیمان کیا ہے اور تعاون کیا ہے، انہوں نے ایسی مخالفانہ سزائیں قائم کی ہیں جو شریعت، دین اور منہج کی مخالفت کرتی ہیں۔ اس طرح یہ نوع بھی کفر کی انواع میں سے ہے۔ شخصی طور پر حکم لگانے سے صرف نظر کرتے ہوئے کیونکہ ہم لوگوں سے متعلق بات نہیں کرتے بلکہ حکم کے متعلق بات کرتے ہیں۔

تو اس صورت میں اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر حکم، اگرچہ محاکم کی اس شکل میں تو شامل نہیں جسے شیخ نے پانچویں قسم میں بیان کیا ہے یا ''**بغیر ما انزل اللہ**'' کے حکم کو فضیلت دینے والے، شریعت ''**ما انزل اللہ**''

کا انکار کرنے والے اور اس سے ہٹ کر فیصلے کرنے کو جائز قرار دینے والے میں تو نہیں جیسا کہ دوسری انواع میں ہے۔لیکن یہ بھی معروف شکلوں میں سے تھی جسے وہ پہچانتے تھے، جس کا التزام کرتے تھے اور اس کا عہد و پیمان رکھتے تھے۔اور اللہ و ر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو چھوڑ کر آپس کے نزاعات میں اس طرح فیصلے کرنا شروع ہو گئے تو یہ کفریہ اقسام میں سے ہے۔

الشیخ: اور ان کی عادات جنہیں وہ ''سلوم'' (جسے ہمارے ہاں پنچائیت، ثالثی کمیٹی یا جرگہ کا نام دیا جاتا ہے) کا نام دیتے ہیں وہ انہیں وراثت میں پاتے ہیں، انہی سے خود فیصلے کرتے اور نزاع کے وقت اسی کے مطابق فیصلے کرنے پر اکساتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض اور بے رغبتی کرتے ہوئے جاہلیت کے حکم پر باقی رہتے ہیں۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: پس ان لوگوں کے پاس اللہ کا حکم موجود بھی ہے اور اس کے مطابق فیصلے کرنا ان کے لئے ممکن بھی ہے، لیکن پھر بھی وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور طاغوت کے احکام سے فیصلے کرتے کراتے ہیں، جیسے مثال کے طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ہے کہ اس نے میراث کے احکام تفصیلی احکام میں رکھے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنچایا اور اس کے مطابق فیصلے کئے ہیں۔اور اسے لوگوں کے اجتہاد پر نہیں چھوڑا۔یعنی یہ احکام سابقہ زمانوں میں قابل عمل رہے ہیں، ان پر عمل ہوتا رہا ہے۔پس میراث کے احکام میں اگر وہ شریعت کے مطابق فیصلوں کا ارادہ کرتے تو ان کے پاس ایسے قاضی موجود تھے جو ان میں ہمارے ہاں معروف علم الفرائض کے مطابق ترکوں میں فیصلے کرتے لیکن وہ خون کے معاملات میں اس کا التزام نہیں کرتے کیونکہ معاملہ جاہلیت کی لڑائیوں کا ہے، باہمی قبائلی لڑائیوں اور انتقامات کا ہے۔

پس اگر وہ شرعی حکم کا ارادہ رکھتے تو وہ اسے عام کرتے (یعنی تمام احکام قبول کرتے) لیکن انہوں نے اس کا التزام نہیں کیا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت عثمانیہ یا شریف مکہ کی حکومت کے ادوار میں بھی اللہ عزوجل کا حکم قائم نہیں تھا۔نہ امن ہی تھا۔پھر یہ بھی کہ وہ (یعنی عوام) اللہ کے حکم سے بے رغبتی کرتے ہوئے اسی کی طرف فیصلے

کرواتے تھے۔ وگرنہ یہ تو ان کے لئے ممکن تھا کہ کم از کم اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کروانے پر رضامند ہو جاتے۔ پھر باقی کے لئے معین ضروریات ہوتیں۔ لیکن مشکل تو یہی ہے کہ یہ بے اعتنائی تو حکومتوں کی طرف سے ہی رہی ہے اور افراد (عوام) موافقت کرتے رہے ہیں کہ وہ سوائے اُمورِ میراث کے شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے یا زیادہ سے زیادہ طلاق اور شادی کے معاملات وغیرہ۔ اور اس میں بھی اگرچہ بہت سی بدعات در آئی ہیں، لیکن بنیادی طور پر اس میں حکم شرعی ہی ہے۔ پس جب انہوں نے قوانین، خواہشات اور روایات کے مطابق فیصلے کئے، اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعراض کیا، اس کے باوجود کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق فیصلے کرنا اور کروانا ان کے لئے ممکن تھا، اگرچہ وہ حکومتی عدالتوں کے ذریعے سے نہ ہو، ان میں ایسے اہل علم وفقہ موجود ہوں جو اِن میں اللہ کے احکام کے مطابق فیصلے کریں جو کہ ان مسائل میں اللہ کے حکم کو پہچانتے ہوں یا جس میں مصالحت کا جواز ہو اس پر رضامند ہو جائیں اور مصالحت شریعت کے موافق ہو اور یہ انہیں ان مشاکل سے بھی نجات اور سکون دے گی جن کی وہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنے کی شکل میں شکایت کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جب وہ اللہ اور اللہ کے حکم سے اعراض کریں اور دیدہ دانستہ جاہلیت کے ان احکام پر باقی رہیں جبکہ ان سے بچنا ممکن بھی ہو تو وہ اس خطرناک سخت نوع میں گر پڑیں گے اور یہ وہی ہے جس کا شیخ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ ملت سے خارج کرنے والی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طالب ہیں۔

اس سے ہمیں یہ چیز معلوم ہو جاتی ہے کہ کتاب وسنت سے ہٹ کر تحاکم بہت خطرناک ہے چاہے یہ حکومتی سطح پر ہو یا قبائل کے حوالے سے ہو یا انفرادی حیثیت سے۔ ہر ایک پر یہ واجب اور فرض ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے اور اللہ وحدہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلے کروائے اور کسی کے لئے اللہ کی شریعت سے ہٹ کر دوسری شریعت سے تحاکم جائز نہیں ہے جیسا کہ کسی کے لئے اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔ یا اللہ کے علاوہ کسی کو پکارنا جائز نہیں ہے۔ یہ عمومی قاعدہ ہے۔

شاہد یہ ہے کہ یہاں شیخ کا کلام پہلی پانچ اقسام کے حالات کے ساتھ اس حیثیت سے موافقت اور مطابقت رکھتا ہے، کہ یہ قسم بھی ملت سے خارج کرنے والی ہے کیونکہ حقیقت میں یہ اللہ کی شریعت سے ہٹ کر شریعت سے تحاکم کرنا ہے وہ اس پر یقین واعتقاد رکھتا، اس سے مدد اور تعاون لیتا اور اس کی اتباع کرتا ہے۔ اور وہ قسم جو ملت سے خارج

نہیں کرتی اس کی تفصیل آگے آئے گی (ان شاء اللہ) وہ یہ کہ اللہ کے حکم کا التزام ہو، اللہ کی شریعت سے ہی تحاکم ہو اور اس شخص کے پاس اللہ کی شریعت سے ہٹ کر کوئی نظام اور قانون نہیں، لیکن وہ اس سے اپنی کسی غرض، خواہش، قرابت، رشوت یا کسی سبب اور مشکل کی بنا پر اس سے انحراف کرتا ہے لیکن اس کا دین اللہ تعالیٰ کا دین اور شریعت ہی ہے۔ اس کی شریعت قانون اور نظام اللہ کا نازل کردہ قانون اور نظام ہی ہے۔ یہی بنیادی فرق ہے۔ اسی لئے میں نے قبائل کے احکام کو اسی کفریہ نوع میں داخل کیا ہے جو کہ ملت سے خارج کرنے والی ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے بھائیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ جزیرۃ العرب میں موجود منتشر قبائل اور دوسروں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ڈرائیں۔ اور وہ عرف کے مطابق فیصلے کر کے اللہ کی کتاب قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

الشیخ: اور ''حاکم بغیر ما انزل اللہ'' کے کفر کی دو قسموں میں سے دوسری قسم......

ڈاکٹر سفر الحوالی: ''اَمَّا'' یہاں عطف ہے پہلے گزرے ہوئے ''اَمَّا'' پر جس میں شیخ نے کہا تھا ''اما الاول وھو کفر الاعتقاد'' پھر اس کی چھ قسمیں بتائیں جو ملت سے خارج کرنے والی ہیں۔

الشیخ: ....اور حاکم ''بغیر ما انزل اللہ'' کی دو قسموں میں سے دوسری قسم وہ ہے جو ملت (اسلامیہ) سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس آیت ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ **(المائدۃ:44)** (یعنی: اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (قوانین) کے مطابق فیصلہ (و حکم) نہ کرے، پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں ان کا قول ہے کہ یہ ''کفر دون کفر'' ہے اور ان کا یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد وہ کفر نہیں ہے جس کی طرف تم جاتے ہو۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اس میں شیخ سابقہ کلام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ حکم بغیر ما انزل اللہ کفر ہے۔ اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ کو کفر کا نام دے اور اس کا ارتکاب کرنے والا کافر نہ ہو۔ لیکن جب ہم تفصیل سے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ کفر اکبر ہے جو ملت سے نکالنے والا ہے یا کفر اصغر ہے جو ملت (اسلامیہ) سے خارج نہیں کرتا؟۔ پہلا یعنی

کفر اکبر اعتقادی کفر ہے جبکہ دوسری قسم عملی کفر ہے۔ اسی بناء پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس وغیرہ بعض سلف کا قول ہے جسے ہم جب آیات کا ذکر کریں گے تو ان شاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔ اور وہ یہ کہ یہ آیت کفر اصغر پر بھی مشتمل ہے اگرچہ اصلا یہ کفر اکبر کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی۔

الشیخ: اور وہ یہ ہے کہ اسے اس کی خواہش نفس اور شہوت غیر ما انزل اللہ سے تحکیم پر ابھارے، اس کے باوجود کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور وہ یہ کرنے کے ساتھ اپنی غلطی اور سیدھے راستے سے پھر جانے کا اعتراف بھی کرتا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: قاضی فیصلے کرنے والا انسان چاہے وہ کسی عدالت کا قاضی ہو یا انفرادی حیثیت سے کسی فیصلہ کا قاضی ہو، کیونکہ جو بھی کسی مسئلہ میں کوئی فیصلہ کرے وہ قاضی ہے، اس کی شریعت، دین، نظام اور قانون جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے یا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ شریعت ہوگی جیسا کہ عنقریب آثار میں اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور خوارج میں پیدا ہونے والے اختلاف کے ضمن میں اس کا ذکر ہوگا۔ یا اس کا دین، شرع اور قانون کوئی دوسری چیز ہوگی جیسا کہ تورات وانجیل جو کہ منسوخ شدہ شریعتیں ہیں، یا پھر وضعی قوانین جیسا کہ تاتاری شریعت یا نابلیون کی شریعت یا کوئی بھی وضعی قوانین۔ یہ دو مختلف قسمیں ہیں ان میں کوئی صلہ، تعلق اور ملاپ نہیں۔ یہ تو اللہ کے دین، اس کی شریعت اور اس کے احکام کی اتباع کرنے والا، اس کا لازم پکڑنے والا اور س کو تسلم کرنے والا ہے اور یہ اللہ کے دین سے ہٹ کر کسی دوسرے دین، اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت کی اتباع کرنے والا، اسی کو تسلیم کرنے والا اور اسی سے تحکیم کرنے اور کرانے والا ہے۔ یہی اس کی شریعت، اس کا نظام اور اس کا دین ہے کیونکہ ہر شخص کا قانون اور نظام ہی اس کا دین ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ (یوسف: 76)

اس بادشاہ کے قانون کی مدد سے یہ (یعنی یوسف علیہ السلام) اپنے بھائی (بنیامین) کو نہیں لے سکتا تھا۔

﴿فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ سے مراد اس کے حکم اور اس کے قانون میں ہے۔

پس پہلی قسم جو اللہ کے حکم کو تسلیم کرنے والے اس کو لازم پکڑنے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے ہیں،

یہی وہ لوگ ہیں کہ فی الواقع کبھی کبھی ان سے اللہ کے کسی حکم پر عمل درآمد کرنے میں کسی قسم کی مخالفت، معصیت، جہالت یا غلطی یا تاویل واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ جمہور اہل ایمان کا حال ہے کہ ہر ایک جو ایمان و اسلام کا التزام کرتا ہے اس پر مکمل طور پر قائم رہنے والا نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی اہل ایمان سے جاننے کے باوجود بھی مخالفت سرزد ہو جاتی ہے کہ کبھی وہ آدمی بھی زنا کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ زنا کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور وہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اور ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو چوری، رشوت اور سود کے حرام ہونے کا اعتقاد تو رکھتے ہیں لیکن چوری کر بیٹھتے ہیں یا رشوت خوری اور سودخوری کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مومنین ان معاصی میں پڑ جاتے ہیں، لیکن مومنوں میں سے ایسے بھی ہیں جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کا التزام کرتے اور قائم کرتے ہیں۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ ان میں اور اُن میں یہی فرق ہے۔ شرعی عدالت کا قاضی جو کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کا التزام بھی کرتا ہے اور جسے وہ اپنا دین، منہج، نظام سمجھتا ہے جس کے مطابق وہ فیصلے کرتا اور کرواتا ہے اس کے علاوہ وہ کسی کا اقرار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی دوسرے حکم کا اعتقاد رکھتا ہے وہ اللہ کے حکم، اللہ کی شریعت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان دونوں سے متفرع ہونے والے اُمور اجتہاد، فقہاء صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال پر ہی یقین رکھتا ہے جو کہ معلوم ہے۔ ہم کہیں گے کہ یہی قاضی جب اس کے پاس اس کا کوئی رشتہ دار، یا جسے اس پر ناز ہو، یا حکومت کا کوئی آدمی یا کوئی شہوت پرست، یا کوئی ایسی چیز جس میں کمزور نفوس عادۃ واقع ہو جاتے ہیں، یا ضعیف ایمان والے واقع ہو جاتے ہیں فیصلے کی غرض سے آئے اور یہ اس کا فیصلہ خواہش و شہوت کے مطابق کر دے، جیسے کہ اس کے پاس آنے والا حد رجم کا مستحق تھا یا کوڑے لگانے کا یا ہاتھ کاٹنے کا مستحق تھا لیکن جب وہ اس کا قرابت دار، اس کا سسرالی یا مقام و مرتبہ والا تھا تو اس نے اس کا فیصلہ بغیر ما انزل اللہ سے کیا۔ بعد اس کے کہ اس کا جرم اس کے نزدیک ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے کسی طرح سے اسے بچا لیا اور اس کے لئے نکلنے کا کوئی راستہ بنا لیا اور اس کے لئے معین دروازے کھول دیئے۔ مثال کے طور پر کہہ دیا کہ اس میں تعذیر کافی ہے یا ہم نے زجر و توبیخ کافی سمجھی یا یہ کہے کہ ہمارے نزدیک اس کی برأت ثابت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ، تو اس نے بغیر ما انزل اللہ کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ اپنے نفس میں ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ قانون یا شریعت وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے۔ اور یہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین ہے جبکہ یہ اس کے برخلاف ہے لیکن اسے اس کی شہوت، خواہش اور شیطان کی اتباع اور معصیت نے ابھارا تو اس حال میں یہ ملت سے خارج نہیں ہو

گا۔

لیکن اگر وہ قانونِ الٰہی سے ہٹ کر کسی قانون کا التزام کرے حتیٰ کہ اگر چہ وہ شرعی عدالت میں بھی ہو جیسے کہ وہ حد زنا کے ہر کیس پر نابلیون کی شریعت کے مطابق فیصلے کرے اور دیکھے کہ وہ عورت اٹھارہ سال سے کم ہے یا زیادہ، وہ مجبور کی گئی تھی یا نہیں (یعنی زنا بالجبر ہے یا نہیں) اور کیا وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ۔ اگر وہ شادی شدہ ہے تو معاملہ اس کے شوہر کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے وگرنہ زانی کو کچھ جرمانہ یا قید کی سزا دی جائے۔ اگر وہ اسی کو شریعت اور دین سمجھتا ہے تو وہ اصلاً ما انزل اللہ کا التزام کرنے والا ہے ہی نہیں۔ نہ ہی وہ اس کو اپنا دین سمجھتا ہے اور نہ اس پر اعتقاد رکھتا ہے، تو یہ پہلی قسم میں داخل ہے جو کہ ملت سے خارج کرنے والی ہے۔

برخلاف اس قسم کے جس میں ہم اب بات کر رہے ہیں کہ جس میں قاضی ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے کرتا ہے، لیکن کبھی عمداً کسی پیش آ جانے والی خواہش کی بنا پر یا کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہالت کی بنا پر اس کی مخالفت کر بیٹھتا ہے کیونکہ جو بھی قاضی بنایا جاتا ہے اور جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے پوری شریعت اور تمام احکام کو جاننے والا نہیں ہوتا۔ اگر چہ واجب یہی ہے کہ وہی آدمی قاضی مقرر کیا جائے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو یا پیش آمدہ مسائل میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، لیکن کبھی کبھی وہ قاضی بنا دیا جاتا ہے جو فی الواقع ایسا نہیں ہوتا تو وہ بعض مسائل میں غلطی کی بناء پر یا تاٴویل کی بناء پر وہ ما انزل اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کر پاتا۔

اور تاٴویل کے بھی مختلف دروازے ہیں مثلاً کوئی قاضی کسی آیت کی تاٴویل بغیر توجیہ کے کر دے یا کسی حدیث کی غیر توجیہی تاٴویل کر دے۔ یا اللہ کے کسی حکم کی مخالفت کر بیٹھے، جیسے کہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے اور حدیث کی قرآن کے ظاہر کی مخالفت نسخ ہے۔ اور کبھی اللہ کے اس حکم کا ردّ کر دیتا ہے جسے اہل حق یا اہل السنۃ یا دلیل کو پہچاننے والے دین سمجھتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی فقہی اصول کے مخالف ہوتا ہے جو ائمہ اربعہ وغیرہ کے ہاں معتبر ہیں اور یہ وہ گمان کرتے ہوئے کرتا ہے کہ وہ حق ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔ تو اس میں وہ تاٴویل کرنے والا ہے اس کا اجتہاد ہے اگر چہ وہ مباح اور مقبول نہ ہو۔ تو یہ ایک دوسری چیز ہے۔

اہم بات یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی مخالفت یا تو غلطی کی بناء پر، یا اجتہاد کی بنیاد پر یا تاٴویل کی بنیاد پر واقع ہوتی ہے اور کبھی ھوی اور خواہش نفس کی پیروی کی بناء پر بھی واقع ہوتی ہے اور یہ اس شہر یا اس عدالت میں واقع

ہوتی ہے کہ جس میں اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، اور وہ خود بھی اللہ کے حکم کو تسلیم کرنے والا ہے۔ اور اس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ اگر اللہ کی شریعت سے ہٹ کر کسی قانون کے مطابق فیصلہ کیا یا قوانین وضعیۃ کو اللہ کی شریعت کا مقام دیا تو یہ کفر ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے پاس موجود ہیں لیکن پھر بھی وہ اس فیصلے یا اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کسی بھی داعیہ کی بنا پر جو کہ انسان کو تمام احکام میں پیش آ سکتا ہے، اللہ کے حکم سے اعراض کرتا ہے، جیسے کہ زنا کرنے، شراب پینے وغیرہ جیسی معاصی میں پیش آ سکتی ہے۔

الشیخ: یہ اگرچہ اس کا کفر ملت سے خارج تو نہیں کرتا لیکن یہ بہت بڑی معصیت ہے جو کہ زنا، شراب نوشی، چوری اور جھوٹی قسم وغیرہ کی طرح اکبر الکبائر ہے۔ وہ معصیت جس کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کفر رکھا ہے، اس معصیت سے بڑی ہے جس کا نام کفر نہیں رکھا۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: یہ حکم جس میں اس مسئلہ میں یہ حکم لگایا گیا ہے یہ باقی کبائر سے بڑا ہے کیونکہ وہ معصیت کہ جسے کفر کا نام دیا گیا ہے اس معصیت سے بڑی ہے جسے شرع کی زبان اور شرع کی عرف میں کفر کا نام نہیں دیا گیا۔ اور اس کی شرح کفر کی اقسام میں وارد ہونے والی نصوص کے کلام میں گزر چکی ہے۔

الشیخ: ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب کی طرف تحاکم پر جمع کر دے اور اسے برضاء و رغبت تسلیم کر لیں۔ بیشک یہ اس کے لئے مشکل نہیں ہے، وہ اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔

ڈاکٹر سفر الحوالی: اسی کے ساتھ شیخ رحمہ اللہ کا فتویٰ پورا ہو گیا ہے۔

یہ اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی بھی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں اس کی چوتھی جلد کے صفحہ 416 پر یہ سوال ہے:

سوال: کیا وہ حکام کافر شمار ہوں گے جو غیر ما انزل اللہ کے فیصلے کرتے ہیں یا غیر ما انزل اللہ قانون کے مطابق حکومت کرتے ہیں یا اگر ہم ان کو مسلمان کہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ

فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴾ (المائدۃ:44) (یعنی: اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (قوانین) کے مطابق فیصلہ (و حکم) نہ کرے پس ایسے ہی لوگ کافر ہیں)۔ کے بارے میں کیا کہیں گے؟۔

اس کا جواب شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے:

جواب: غیر ما انزل اللہ سے تحکیم کرنے والوں کی مختلف قسمیں ہیں، ان کے اعتقاد اور اعمال کے مطابق ان کے احکام مختلف ہیں۔ جو غیر ما انزل اللہ سے تحکیم کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ اللہ کی شریعت سے بہتر ہے تو ایسا شخص تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے۔ اور ایسے ہی جو اللہ کی شریعت کے متبادل وضعی قوانین کے مطابق فیصلے کرے اور اسے جائز خیال کرے حتیٰ کہ اگرچہ وہ بظاہر یہ بھی کہے کہ تحکیم الشریعۃ افضل ہے، وہ بھی کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس چیز کو حلال قرار دیا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔ لیکن جو غیر ما انزل اللہ سے خواہش کی پیروی کرتے ہوئے یا رشوت کے لئے یا جس کا فیصلہ ہے اس کے ساتھ ذاتی عداوت کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے فیصلے کرے اور وہ جانتا بھی ہو کہ اس میں وہ اللہ کا نافرمان ہے اور اس پر واجب یہی ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرے تو اس کا شمار گنہگاروں اور اہل کبائر میں سے ہوگا۔ اور وہ کفر اصغر کا مرتکب ہوگا اور ظلم اور فسق اصغر کا مرتکب ہوگا جیسا کہ یہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی اٰله و صحبه اجمعین

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk